شہنشاہِ کائنات

مؤلف: سید آصف علی سبزواری



شہنشائے کائنات

مؤلف

سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

از افادات مصنف

سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان

تصدیق کنندہ

حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی

امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہائٹس، بلاک ۱۸،
گلستانِ جوہر کراچی، فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

نام کتاب: شہنشائے کائنات

مؤلف: سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

ازافادات مصنف: سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان

0302-2004072 - 0332-0348763

تصدیق کنندہ۔ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہائٹس، بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر کراچی، فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

0333-3256542

ناشر: مکتبہ

اشاعت اول: تاریخ: شوال1439ھ / جولائی 2018ء

تعداد: 1000

باہتمام: محترم راؤ محمد ایوب خان (فلائٹ لیفٹیننٹ)PAF

راؤ اینڈ راؤ بلڈرز اینڈ ڈیولپرز

کمپوزنگ: محمد عامر صدیقی

تصدیق نامہ

شہنشائے کائنات کے بارے میں اُن کی بڑائی اور تعریف بیان کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات بیان کئے ہیں۔ دینی مضامین اسکالرز، جید علماء کے اخبارات سے اکھٹا کر کے ان کی تحقیق کے بعد لوگوں کی خیر خواہی کے لئے پھیلایا گیا ہے تاکہ یہ میرے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کے یہ مضامین ہیں، صدقہ جاریہ ہوں۔

سید آصف علی سبزواری صاحب نے شہنشائے کائنات کی بڑائی اور تعریف کو اجاگر کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ میں اُن کی اس کاوش کی تہہ دل سے حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔

جو کچھ سبزواری صاحب نے تحریر کیا ہے وہ میں نے اچھی طرح اور تفصیل سے پڑھا ہے جس کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ تمام مواد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی

امام و خطیب جامع مسجد اقصیٰ، بلیز ہائٹس
بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر، کراچی
فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اس کائنات کا مالک ہے

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشِ خدمت ہے، قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں۔اِس کاوش کا ثواب اس ذاتِ گرامی کی نذر ہے جسے کسی ثواب کی حاجت نہیں بلکہ جس کا نام ہی ہمارے لیے حرفِ دُعا ہے۔محمد ﷺ: ان سے رِشتہ ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ بات یہ ہے کہ ایسی ہر کوشش اور ہدیۂ سلام و درود سے ہماری ذات کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ اس کا ثواب میرے والدین، آباؤ اجداد اور تمام متعلقین کو پہنچا دے اور ان کو اپنی رحمت سے بخش دے اور میدان حشر میں ان پر خصوصی رحم فرمادے۔آمین۔

سید آصف علی سبزواری

فہرست



شہنشاہ کائنات کی بڑائی اور تعریف

وہ جو ہر چیز پر قادر ہے، وہ جو سب کچھ کرسکتا ہے اور سب کچھ اس کے قبضے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور شان اور تعریف کے بارے میں بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کے خالق ہیں۔ اگر سارے سمندر روشنائی بنا دیئے جائیں اور تمام دنیا کے درخت قلم بنا دیئے جائیں تو بھی اللہ کی بڑائی کے بارے میں تحریر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسان مخلوق ہے اور اس کی عقل محدود ہے اور اللہ تعالیٰ شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں، زمین، آسمان اور پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے پیدا کیا ہے اور یہ پوری کائنات اس کی ملکیت ہے اور وہ اس کے حقیقی مالک ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے شہنشاہ ہیں، حکومت سے لیکر کسی بھی سطح پر لوگوں پر حکومت کر رہے ہیں، جہاں جہاں ان کا دائرہ اختیار ہے، ان کا حکم چل رہا ہے، ان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب باطل ہیں، خواہ وہ کسی ادارے کے سربراہ ہوں، زمین دار ہوں، جاگیردار ہوں، حکومت کے کسی بڑے عہدے پر فائز ہوں یا کسی گھر کے سربراہ ہوں، یہ سب عارضی ہیں، کسی وقت بھی مالک کائنات ان کو تبدیل کرسکتا ہے۔ ان کو بہت سنبھل کر اپنے اختیارات کا استعمال کرنا چاہیے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور انصاف سے کام لینا چاہیے کیونکہ حشر کے میدان میں مالک کائنات حقیقی شہنشاہ کے سامنے ان سب کی پیشی ہوگی اور وہاں ان کے اختیارات کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی اور ذرہ ذرہ کا حساب ان سے لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک کائنات جسے چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں، جسے چاہیں عزت دیں اور جسے چاہیں ذلیل کردیں۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، رات کو دن میں پروتا ہوا لیکر آتا ہے اور دن کو رات میں، بے جان کو جان دار سے نکالتا ہے اور جان دار کو بے جان سے اور جسے چاہتا ہے

بے حساب رزق دیتا ہے۔

لوگ اس چیز کو فراموش نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اگر حکومت، زمین، مکان، دولت، عزت اور شہرت دی ہے تو وہ مغرور ہو جائے اور سمجھے کہ یہ مجھے میرے قوتِ بازو اور عقل سے ملا ہے یا کسی چالاکی سے میں نے دھوکہ دے کر ناجائز طریقے سے حاصل کرلیا ہے، اب یہ ہمیشہ میرے پاس رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بالکل فراموش کر دے اور مختلف حیلوں، بہانوں اور طریقوں سے ان کو رد کر دے، مالک کائنات جب چاہے کسی بھی نافرمانی کی وجہ سے اس سے یہ سب کچھ چھین سکتا ہے اور یہ محل، بلڈنگ، مکان اس سے واپس لے کر اس کو ذلیل وخوار کرسکتا ہے پس جس نے اللہ کی نصیحت سے منہ موڑا اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کو تنگ کر دیگا اور قیامت کے دن اس کو اندھا کر کے اُٹھائے گا۔ وہ کہے گا: یا اللہ! مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا؟ میں تو دنیا میں اچھا بھلا دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے ان کو بھلا دیا۔ اسی طرح سے آج ہم تمہیں بھلا دیں گے اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔ (القران: سورۃ طٰہٰ، ترجمہ آیت 127-124)۔

یہ بھی تمام شہنشاہوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر چیز جو اس زمین پر ہے، فنا ہو جانے والی ہے، صرف اللہ رب العزت کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ جو شخص نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کو اجر دیں گے۔ اگر آپ دو کام کرلیں: ایمان اور اعمال صالح ہوں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ یقیناً پرسکون زندگی عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتے ہیں: ''جس نے ہمیں راضی کرلیا اسے ہم یقیناً ہر پریشانی سے نجات دیں گے اور پرسکون زندگی عطا فرمائیں گے''۔ یہ پوری کائنات چاند، سورج، ستارے اور جتنا بھی کائنات کا نظام چلتا ہوا نظر آرہا ہے، یہ اس کا محتاج ہے، سورج غروب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا

ہے اور مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت چاہتا ہے، اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور ایسا بھی ہونے والا ہے کہ ایک روز یہ سجدہ کریگا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور اس کو مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ یہ ہے حقیقی شہنشاہ کی شان وشوکت۔

وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور کائنات میں ہر طرف اس کی رحمت اور نور چھایا ہوا ہے، وہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، جب انسان اس سے فریاد کرتا ہے اور پکارتا ہے تو اس کو سنتا ہے اور اس کے اعمال اور مصلحت کے حساب سے اس کی پریشانیاں حل کر دیتا ہے۔ پوری کائنات کی ہر شئے ہر وقت اس کے سامنے ہے اور اس کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے اور ان کو رزق پہنچا رہے ہیں، تنہا اکیلے اس کائنات کو سنبھالے ہوئے ہیں اور عرش پر جلوہ افروز ہیں اور پوری کائنات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں اور فرشتے اس کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ پوری مخلوق کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور ہر شخص آپ کے سامنے اپنی ضروریات کیلئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے اور آپ کی لامحدود بڑائی ووحدانیت کا اقرار کر رہا ہے۔

آپ نے پوری کائنات کو پیدا کیا اور اس کی پیدا کردہ ہر چیز اس کی تعریف و حدانیت اور وجود کی خود ہی گواہی دے رہی ہے، اس کی رحمت اور نور سے پوری کائنات جگمگا رہی ہے۔ جتنے بھی سرکش، نافرمان اس دنیا میں گزرے: فرعون، نمرود، شداد، قارون وغیرہ وغیرہ، کسی نے بھی خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، نہ یہ جرأت کی کہ یہ دنیا اس نے تخلیق کی ہے یا وہ اس کا نظام چلا رہا ہے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ اس کائنات کا ایک ذرہ، ایک تنکا یا ایک مچھر کا پر تک نہیں بنا سکتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اس دعویٰ سے محفوظ رکھا کہ اس کا کوئی شریک یا مدمقابل یا ہمسر ہے کیونکہ جتنے بھی بڑے بڑے سرکش اور نافرمان گزرے ہیں وہ اتنے کمزور تھے کہ کوئی پانی میں ڈوب کے مرا اور کسی کی موت مچھر سے ہوئی پس ہر مجرم اور سرکش کا ضمیر اندر سے جانتا تھا کہ اگر خالق ہونے کا دعویٰ کریں گے اور کل سمندر میں ڈوب جائیں گے تو لوگ مذاق اڑائیں گے کہ خالق تو خود اپنی

مخلوق میں ڈوب گیا پس تمام مخلوق حق تعالیٰ کے اس چیلنج اور دعوی کے سامنے کہ میں نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے، خاموش ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مدمقابل کائنات کی تخلیق میں کوئی دعویدار گزرا ہے اور نہ قیامت تک گزرسکتا ہے، وہ وحدہ لاشریک لہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس پر اس کا حکم چل رہا ہے، قادر مطلق ہے، وہ جو کچھ چاہے کرے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ آپ نے پوری کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا: زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ہوا، خشکی، سمندر، پہاڑ، ریگستان، معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ، گیس، تیل، ایلمونیم، طرح طرح کے پتھر اور سینکڑوں لامحدود قسم کی چیزیں، آپ نے انسان کے لئے طرح طرح کے اناج، باجرہ، چاول، چنا، پھلوں میں انگور، انار، سیب، تربوز، امرود، آم، خربوزہ، کینو، کھجور، کیلا پیدا کیا، اسی طرح مختلف سبزیاں پیدا کیں: لوکی، ٹماٹر، کیری، ٹنڈے، اروی، بھنڈی، ہرا دھنیا، پودینا وغیرہ۔ موسم کے لحاظ سے الگ الگ پھل اور سبزیاں پیدا کیں۔ بے شمار چیزیں ہیں جو اس نے انسان کے استعمال کے لئے پیدا کی ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اس کے احسان کو تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے طرح طرح کے موسم بنائے: گرمی، سردی، موسم بہار، برسات تاکہ ان کی وجہ سے بہت سی انسانی ضروریات پوری کی جاسکیں اور ان سے لطف اندوز ہوا جاسکے۔ اس کے لئے طرح طرح کے پھل اور غذائیں پیدا کیں تاکہ یہ ہر قسم کے ذائقے سے لطف اندوز ہوسکے اور مالک کائنات کا شکر گزار بندہ بنے۔

اللہ تعالیٰ نے جنگلی جانور خشکی پر شیر چیتا، ہاتھی، بھیڑیا، ہرن، بارہ سنگھا، گائے بیل، بکری، گھوڑا، کتا، بلی، چوہا، مکوڑہ، چیونٹی وغیرہ پیدا کئے، فضا میں کبوتر، چیل، کوا، مینا، طوطا، باز وغیرہ پیدا کئے، سمندر میں مچھلی، مگرمچھ اور بے شمار قسم کے جانور پیدا کئے۔ یہ سب اس کی کاریگری، تعریف و وحدانیت کی خود ہی گواہی دے رہے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔

آپ ان سب کے خالق اور مالک ہیں اور ان سب کو رزق پہنچا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو تخلیق کیا تو آدم کا پتلا مٹی سے تیار کیا اور فرشتوں کو آدم یعنی اس مٹی سے بنے ہوئے انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔تمام فرشتوں نے حکم مانا اور سجدہ کیا لیکن ابلیس جو کہ فرشتوں کا سردار تھا، اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، عقل استعمال کی ،غرور کیا کہ میں آدم سے افضل ہوں، یہ مٹی سے بنا ہوا ہے اور میں آگ سے بنا ہوا ہوں۔اس حکم عدولی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے دربارِ عالی سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا، شیطان مردود اور ملعون ہوگیا۔اس کے بعد شیطان نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ تو مجھے مہلت عطا فرما، میں تیرے بندوں کو بہکاتا رہوں گا اور راہ راست سے ہٹاؤں گا۔اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا اور اس کو قیامت تک کے لئے مہلت دیدی۔

آدم علیہ السلام اماں حوا کے ساتھ جنت میں رہ رہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں ایک درخت کے پھل کھانے سے منع کیا تھا لیکن شیطان نے ان کو بہکا بہکا کر یہ کھلوا دیا اور آپ سے نافرمانی کروادی۔اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کو جنت سے نکال دیا اور اس دنیا میں پھینک دیا۔آپ ہزاروں سال اپنے اس قصور کی وجہ سے روتے رہے۔آخر کار دعا مانگی کہ یا اللہ مجھ سے قصور ہوا ہے، تو مجھے معاف فرما دے، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا کہ اب اسی دنیا میں رہیں اور اس دنیا کو امتحان کی تیاری کرنے کی جگہ قرار دے دیا۔

انتخاب کی آزادی دی کہ جونسا راستہ تم اختیار کرنا چاہتے ہو، اختیار کرو۔تمہاری جزا اور سزا اسی کے مطابق ہوگی۔اچھے اعمال کے بدلے جنت اور برے اعمال کے بدلے جہنم میں داخل کیا جائیگا۔

امتحان کا پرچہ حل کر کے اس کے سامنے پیش کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کلام پاک کے ذریعے نبی ﷺ پر نازل کئے ہیں۔ نبی پاک ﷺ جو کہ اللہ کے آخری رسول اور پیغمبر ہیں، انہوں نے اس پر عمل کر کے بتایا تا کہ انسان اس کی پیروی کرے۔

قبر کے تین سوال جو پوچھے جائیں گے وہ پہلے بتا دیئے گئے

(۱) تیرا رب کون ہے؟

جواب: اللہ مالک کائنات۔

(۲) تمہارا دین کیا ہے؟

جواب: دین اسلام۔

(۳) وہ شخص کون ہے جو تمہارے اندر بھیجا گیا تھا؟

جواب: وہ کہتا ہے وہ اللہ کے رسول اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں۔

پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ باتیں تمہیں کس طرح معلوم ہوئیں؟

جواب: وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب قرآن پاک پڑھا تھا، اس پر ایمان لایا تھا اور اس کی تصدیق کی تھی۔

قیامت کے دن کے پانچ سوال:

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت سے آدمی ہٹ نہیں سکتا جب تک اس سے پانچ باتوں کے بارے میں حساب نہیں لیا جائے گا۔

(۱) عمر کن کاموں میں گزاری؟

(۲) علم پر کہاں تک عمل کیا؟

(۳) مال کہاں سے کمایا؟

(۴) مال کہاں خرچ کیا؟

(۵) جسم کو کس کام میں کھپایا؟

قرآن پاک میں برابر اعلان ہو رہا ہے کہ وہ اللہ ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، یہ پوری کائنات اسی کی ملکیت ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین، احکامات اور نبی پاک ﷺ کے طریقے کے مطابق عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے کی ترغیب دی

اور برائی سے روکنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت، بندگی اس طریقے سے کریں کہ پورے کے پورے دین میں داخل ہو جائیں۔

اللہ کے دین کو ہر حال میں بلند کرے اور حق کو تسلیم کرے۔ دین کے کسی بھی رکن کو اس کی اصلی حالت سے تبدیل نہ ہونے دے اور دین کو اس کی اپنی حالت یعنی کلام پاک اور نبی پاک ﷺ کے طریقے کے مطابق مکمل قائم رکھنے کی حمایت اور کوشش کرتا رہے، ہر حال میں اس کا دفاع اور حفاظت کرے، دین کے خلاف کوئی بھی نافرمانی ہوتے دیکھے گا تو اگر اس کو روکنے کی جرأت نہیں ہے تو کم از کم اس کو دل سے برا سمجھے، اس کی مذمت کرتا رہے اور باطل کو رد کر دے۔

جن گھروں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں اور کچھ لوگ اپنے کام سے کام رکھے ہوئے ہیں ان کو منع نہیں کر رہے، خاموش ہیں، باطل کی حمایت کر رہے ہیں وہ اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کو چاہئے کہ حق بات، اللہ تعالیٰ کے احکامات علی الاعلان اجاگر کریں، نہ کسی سے ڈریں نہ دبیں۔

بے حیائی، بے پردگی ایک اعلانیہ گناہ ہے۔ TV، آلات موسیقی جن سے لذت نفس کے لئے گانا سننا بے حیائی کے نازیبا مناظر دیکھنا اعلانیہ گناہ ہے اور اس کا رخ کبیرہ گناہ کی طرف ہے، ان کو چھوڑ دیں، ان بڑے بڑے گناہوں پر عذابوں کی وعیدیں ہیں مثلاً جب آلات موسیقی کا رواج عام ہو جائے گا تو اس وقت اللہ کی طرف سے عذاب کا انتظار کریں۔ گو کہ زمین میں دھنسا دئے جائیں، زمین میں ہل چل ہوگی، زمین ہلے گی، اس کے پھٹنے سے لوگ اس میں دھنسا دئے جائیں گے، آسمانوں سے لوگوں پر پتھروں کی بارش کی جائے گی، لوگوں کی شکلوں کو مسخ کر دیا جائے گا۔

شدید تیز طوفانی آندھی اور شدید تیز طوفانی بارش کا عذاب بھی لوگوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے نیست و نابود اور بستیوں کو تل پٹ کر دیا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس دنیا میں حد سے زیادہ بڑھ جائے گی اور لوگ بڑے بڑے گناہ کھلے عام کریں گے۔ بے

حیائی، بے پردگی، زنا عام ہوجائے گا اور آلات موسیقی عام ہوجائیں گے، TV میں بے حیائی اور فحاشی کے مناظر دیکھ کر لوگ اس سے لطف اندوز ہوں گے، بے پردہ عورتیں بے حیائی کے ساتھ اپنے جسموں کی نامحرم لوگوں کے سامنے نمائش کریں گی، خود بھی لطف اندوز ہوں گی، لوگوں کو بھی لطف اندوز کریں گی۔ ظلم، ناانصافی، سود، رشوت، جوا، جھوٹ اور تکبر بڑھ جائے گا۔

ظالم، متکبر دولت مند لوگ غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں پر ظلم کریں گے، حلال حرام کی تمیز نہیں رہے گی، لوگ حرام کھانا فخر سمجھیں گے، امانت میں خیانت کی جائے گی، انسانوں کے حقوق چھین لئے جائیں گے، دنیاوی خواہشات کی لوگ پیروی کریں گے، والدین کی نافرمانی کریں گے، بیویوں کی اطاعت وغلامی کریں گے، ظلم وناانصافی حد سے بڑھ جائے گی۔

اس وقت اللہ تعالیٰ اس دنیا کو ختم کرنے کا فیصلہ کریں گے جو کہ انسان کے امتحان کے لئے بنائی گئی تھی تا کہ اچھے برے اعمال کی جانچ پڑتال کریں۔ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے، اس خوفناک آواز سے پوری کائنات لرز اٹھے گی۔ آسمان کی بندش ڈھیلی کردی جائے گی اور اس کو لپیٹ دیا جائے گا۔ آسمان پھٹ جائے گا۔

سمندر کا پانی خشک ہوجائیگا، پہاڑ چلائے جائیں گے اور ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیے جائیں گے، کوئی جاندار انسان اور جانور اس روئے زمین پر زندہ باقی نہیں بچے گا، پوری کائنات کا نظام درہم برہم کردیا جائے گا اور کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، صرف مالکِ کائنات کی ذات باقی رہے گی۔ جہنم میں یہ لوگ موت کو پکاریں گے: ہمیں موت دے دے۔ ان سے کہا جائے گا کہ اب موت کو بھی موت آگئی، وہ مرگئی، تم اب نہیں مر سکتے۔

ہزاروں سال بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بولو: کیا کہتے ہو؟ کہیں گے: یا اللہ! مرگئے نافرمانی کر کے، ہمیں معاف کردے۔ اللہ فرمائیں گے: بکواس بند کرو، مجھ سے کوئی بات نہ کرے، یہ آخری بات ہوگی جہنم والوں کی اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی جہنم والوں سے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جہنم کو تالا لگا دے گا، آج کے بعد کوئی چیز اندر جا سکے گی اور نہ کوئی چیز باہر نکل سکتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تباہی و بربادی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (الماعون ۴۔۵)۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ''الذین هم عن صلوتهم ساهون'' کا کیا مطلب ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد تاخیر فی الوقت ہے یعنی نماز کو اپنے وقت سے موخر کر کے ادا کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مصلین تو فرمایا لیکن وہ سستی اور تاخیر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ویل اور شدید عذاب کی وعید سنائی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ ویل ایک وادی ہے جہنم میں کہ اگر اس میں دنیا کے پہاڑ بھی ڈال دیئے جائیں تو وہ پگھل جائیں بوجہ شدید حرارت کے اور یہ مقام مسکن اور رہائش گاہ ہے ان لوگوں کی جو نماز میں سستی کرتے ہیں اور وقت مستحب سے مؤخر کر کے ادا کرتے ہیں الا یہ کہ وہ توبہ کرلیں اور اپنے قصور پر ندامت و افسوس کریں۔



وجود باری تعالیٰ کا اعتراف اور اللہ کی بندگی

دین کا لازمی اور بنیادی تقاضا:

قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''عبادت'' کے لفظی معنی اللہ کی بندگی کے ہیں۔اس لحاظ سے ''عبد'' کے معنی بندہ اور ''معبود'' وہ ذات حق ہے جس کی عبادت اور بندگی کی جائے۔بندگی کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے خالق ومالک اور پروردگار کے حضور انتہائی عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کیا جائے ، ہر عمل، ہر نیکی اور ہر عبادت میں اس کی رضا کو پیش نظر رکھا جائے جبکہ شریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مخصوص کیفیت، ہیئت اور خاص وضع کے ساتھ اپنے معبود اور خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے ، عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے ،اس کے قرب اور رضا کی طلب اور تڑپ ظاہر کی جائے۔

اسلام چوں کہ دین فطرت اور مکمل ضابطہ حیات ہے لہٰذا اس کی تعلیمات اور بندگی کا طریقہ بھی تمام مذاہب عالم سے ممتاز اور منفرد ہے۔یہ اسلامی تعلیمات کی رو سے فرض عین ہے۔اس حوالے سے اسلام میں بندگی کا تصور بہت جامع اور ہمہ گیر ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے چنانچہ اسلام کی رو سے نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دیگر عبادات بندگی کے اظہار کی وہ صورتیں ہیں جن سے بندہ اظہار بندگی کے بعد اللہ کا قرب چاہتا ہے اور اس سے اپنے تعلق کو استوار کرتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے ''کہہ دیجئے کہ مجھ سے ارشاد ہوا کہ اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اس کی بندگی کرو'' (سورۃ الزمر)

ایک مقام پر فرمایا گیا ''لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے تا کہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔'' (سورۃ البقرہ)

اسلامی تعلیمات کے مطابق مومن کی پوری زندگی عبادت اور بندگی سے عبارت ہے

جس میں اللہ کی عظمت کا اظہار اور اس کی الوہیت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اس طرح درحقیقت تمام باطل معبودوں کی نفی کی جاتی اور اس عزم کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی ہمارا خالق و مالک، پروردگار اور معبود ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، بندگی اور عظمت صرف تیرے لئے ہے اور تجھے ہی زیبا ہے۔ تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، ذات وصفات میں ہم تجھے واحد اور اپنا معبود سمجھتے ہیں، تیرے سوا کسی کی بندگی نہیں کرتے لہٰذا عبدیت اور بندگی اگر جائز ہے تو صرف اس قادرِ مطلق، اس ذات واحد، عزیز وقدیر کی، جس نے انسانوں کو پیدا کیا، اپنی نعمتوں سے نوازا، کائنات میں انہیں افضل ترین مقام عطا کیا، انسان کو اشرف المخلوقات قرار دے کر اپنا نائب بنایا، خلافت ارضی سے سرفراز کیا اور مقصد تخلیق صرف اور صرف یہ قرار دیا کہ وہ میری عبادت اور بندگی اختیار کریں۔

درحقیقت اسلام کی نگاہ میں انسان خدائے رحمان کا بندہ ہے۔ اس کا خالق، مالک اور حاکم صرف خداوند عالم ہے جس نے زمین پر اسے اپنا نائب مقرر کیا چنانچہ دنیا میں بندے کا کام اللہ کی عبادت اور بندگی اختیار کرنا ہے، بندگی کے حوالے سے اپنی ذمے داریوں کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے چنانچہ اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ بندے کی زندگی کا ایک لمحہ بھی اپنے پروردگار کی عبادت اور بندگی سے خالی نہ ہو، اس کا سونا، جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا غرض کہ ہر ہر عمل اللہ کے حکم، اس کی رضا کے عین مطابق ہو، بندے کی پوری زندگی اللہ کی اطاعت، عبادت اور تسلیم و رضا سے عبارت ہو، یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اللہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اس کی تعلیمات اور مرضیات کا پابند اور تابع ہو جاتا ہے، وہ اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کا رب اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ بندے کی پوری زندگی عبدیت کا نمونہ بن جائے، وہ مجسم عبادت اور سراپا بندگی بن جائے، وہ عبادت بھی اللہ کی کرے اور اپنے ہر عمل اور نیکی میں محض اللہ کی رضا اس کا قرب اور خوشنودی کا متلاشی ہو، اس کا ہر عمل اللہ کے لئے ہو، اس کی واضح مثال

ہمیں انبیائے کرامؑ کی زندگی،ان کی سیرت اور تعلیمات میں ملتی ہے۔اس کی سب سے واضح تصویر حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے اس تعلیم اور ارشاد میں ملتی ہے کہ ''آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے صرف اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلے پہلے اسلام لانے والا ہوں۔(سورۃ الانعام)

جب کہ اللہ کی عظمت کے اظہار،دین کی تبلیغ واشاعت اور اعتراف بندگی کے حوالے سے دوسری مثال ہمیں خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں ملتی ہے کہ جب آپ ﷺ نے کفار قریش کے تمام مطالبوں اور پیشکشوں کے جواب میں فرمایا: خدا کی قسم! اگر یہ میرے دائیں ہاتھ میں چاند اور بائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور تب بھی یہ کہیں کہ میں اللہ کی عظمت کے اظہار، اس کی بندگی کے اعتراف اور دین کی دعوت سے باز آ جاؤں تو بخدا میں اس سے باز نہیں آ سکتا، میں اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا'' (مفہوم)۔

تمام انبیائے کرامؑ کی زندگی اللہ کی عبادت اور اس کی بندگی کی دعوت سے عبارت ہے۔وہ اللہ کی بندگی کے مجسم پیکر تھے۔قرآن کریم نے جابجا اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ انبیائے کرامؑ کی آمد اور ان کی بعثت کا حقیقی مقصد بھی درحقیقت عقیدہ توحید کی دعوت، اللہ کے وجود اور اس کی عظمت کا اظہار،دین کی تبلیغ واشاعت اور بندگان خدا کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی طرف راغب کرنا تھا۔ ان کی دعوت کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ''الاتعبد والا ایاہ'' (سورۃ یوسف) یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔وہ ہر آزمائش وامتحان میں پورا اترے، تمام مخالفتوں کے باوجود انہوں نے دین کا دامن نہ چھوڑا، اللہ سے اپنے تعلق اور بندگی کو استوار رکھا۔

ایمان واسلام کا مفہوم ہی یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی رضا کا طالب ہو،اس کی توحید کا علمبردار ہو، بندگی کا مجسم پیکر ہو،اس کا مرنا، جینا اور زندگی کا ہر عمل اللہ کے لئے ہو، وہ اللہ کی بندگی کو ہر عمل پر مقدم رکھے، اللہ کی رضا ہی اس کی زندگی کا حقیقی اور اول وآخر مقصد ہو

چنانچہ اعترافِ بندگی اور تسلیم و رضا کی معراج یہ ہے کہ بندہ خود کو اپنے خالق و مالک، اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ ہر حال میں اللہ سے اپنے تعلق کو استوار رکھے، ہر مشکل میں اللہ ہی سے رجوع کرے، اللہ کی اطاعت، محبت اور عبادت کو ہر شے پر مقدم رکھے، اس کے اعمال اور سیرت و کردار اللہ تعالیٰ کے احکام اور دینی تعلیمات کے تابع ہوں، اللہ کی ذات و صفات اور وجود میں اسے سب سے برتر، غالب اور یکساں تسلیم کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:۔

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا میں نے جنات اور انسانوں کو مگر اس لئے
کہ وہ عبادت کریں (بندگی اختیار کریں) (سورۃ الذاریات)

اس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن کریم نے انسانی زندگی کا ایک مقصد متعین کر دیا اور یہ واضح فرما دیا ہے کہ تخلیق انسانی کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت کرے، اس کی بندگی اختیار کرے چنانچہ جب ایمان کی یہ کیفیت ہو تو بندے کی جبین نیاز اپنے معبود حقیقی اللہ کے سوا کسی کے آگے جھک نہیں سکتی، اس کا سجدہ بھی اللہ کے لئے ہوگا اور عبادت و بندگی بھی صرف اور صرف اسی کے لئے۔ بندگی کے اس مقام پر امیدوں اور آرزوؤں کا تعلق اور مرکز و محور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی، یہ وہ جنس گراں مایہ ہے جو معبودِ برحق، اللہ عزوجل کے حقیقی بندے کو ہی میسر آسکتی ہے۔

بقول شاعر مشرق:

متاع بے بہا ہے دردو سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ جو درحقیقت اس کے دیباچے کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں بندگی کے اظہار کا طریقہ نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ بندہ اپنی بندگی کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف کرتا، اس کی حمد و ثنا بیان کرتا اور اسے مالک روز جزا سمجھتا ہے یعنی اپنے ہر عمل پر سزا اور جزا کا دارومدار اس پر سمجھتا ہے کہ میں اللہ کا

بندہ اور اس کا غلام ہوں، وہ میرا معبود حقیقی اور پروردگار ہے، وہی سب سے عظیم اور پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ میرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، نظام کائنات اسی کے حکم کے تابع ہے، اس کے حکم ''کن فیکون'' پر پورا نظام قدرت چل رہا ہے، کائنات کی ہر شے اس کے تابع اور اس کی محتاج ہے، میں اس کی بندگی کا پیکر ہوں۔ ''سورہ فاتحہ'' میں آگے جا کر فرمایا گیا: اے ہمارے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اس آیت میں اظہار بندگی اور اعتراف بندگی کا سلیقہ بیان کیا گیا ہے کہ بندے کا فریضہ صرف اور صرف اللہ کی اطاعت، اس کی عبادت اور بندگی ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اے ہمارے معبود! ہم تو صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے اور تیری رضا کے متلاشی ہیں، تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو ہی ہمارا مالک اور مولیٰ ہے۔ ہم تجھے اپنا معبود سمجھتے اور بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

''نماز'' اظہار بندگی کی واضح ترین تصویر ہے، اس میں بندہ عاجزی اور انکساری کا پیکر نظر آتا ہے، یہ عجز و انکساری کا وہ اظہار ہے جو بندے کے کسی عمل حتیٰ کہ کسی اور عبادت میں بھی نظر نہیں آتا۔ قیام، رکوع وسجدہ اور اس کے حضور قعدے کی حالت میں عاجزی اور انکساری کا اظہار، درحقیقت بندگی کے اعتراف کی وہ شکل ہے جو دنیا کے نظام عبادت میں کہیں نظر نہیں آتی، یہ دین کا ستون اور بندہ مومن کی معراج ہے، اللہ کے قرب کا ذریعہ اور اعتراف بندگی کا مظہر ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام نام ہی بندگی کا ہے اور مومن بندگی کا مجسم نمونہ اور اس کا عملی پیکر ہے۔ اعتراف بندگی ہی مومن کی سب سے بڑی غایت اور نیاز مندی کا حاصل ہے۔ مسلمان بندگی کے اعتراف کو زندگی کا بنیادی مقصد سمجھتا ہے اور یہی قرآن وسنت کی تعلیمات کا خلاصہ اور اسلامی احکام کا نچوڑ ہے۔



نیکی کے کاموں میں سبقت

یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ دین کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھو، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے ذریعے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی بے تابی ہوگی لیکن وہ بڑی لذیذ بے تابی ہے جب کہ دنیا جمع کرنے کی بے تابی اور بے چینی تکلیف دہ اور پریشان کن ہے، یہ راتوں کی نیند اڑا دیتی ہے، بھوک اڑا دیتی ہے لیکن دین کے لئے جو بے تابی ہوتی ہے وہ بڑی راحت کا باعث ہے۔ اگر انسان ساری عمر اس بے تابی میں رہے تب بھی وہ لذت میں رہیگا، راحت اور سکون میں رہے گا لیکن ہماری ساری زندگی کا پہیہ الٹا چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری فکر کو درست فرمائے، ہمارے دلوں کو درست فرمائے اور جو راستہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیک عمل جلدی جلدی کرلو، جتنا وقت مل رہا ہے اسے غنیمت جانو، کیوں؟ اس لئے کہ بڑے فتنے آنے والے ہیں، ایسے فتنے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے۔۔۔۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اندھیری رات شروع ہوتی ہے اور اس کا ایک حصہ گزر جاتا ہے تو اس کے بعد آنے والا دوسرا حصہ بھی رات ہی کا حصہ ہوتا ہے اور اس میں تاریکی اور بڑھتی چلی جاتی ہے اور پھر تیسرے حصے میں اندھیرا اور بڑھ جاتا ہے، اب اگر آدمی اس انتظار میں رہے کہ ابھی مغرب کا وقت ہے، تھوڑی سی تاریکی ہے، کچھ وقت گزرنے کے بعد روشنی ہو جائے گی، اس وقت کام کروں گا تو وہ احمق ہے اس لئے کہ جو وقت گزرے گا تو اور زیادہ تاریکی کا وقت آئے گا لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہے کہ اور تھوڑا سا وقت گزر جائے پھر کام شروع کروں گا تو یاد رکھو کہ اور وقت جو آنے والا ہے وہ اور زیادہ تاریکی والا ہے، آئندہ جو فتنے آنے والے ہیں وہ بھی اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں کہ ہر فتنے کے بعد بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ پھر فرمایا کہ صبح انسان مومن ہوگا

اور شام کو کافر ہو جائے گا یعنی ایسے فتنے آنے والے ہیں جو انسان کے ایمان کو سلب کر لیں گے، صبح مومن بے دار ہوا تھا لیکن فتنے کا شکار ہو کر شام کے وقت کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن تھا، صبح کافر ہو گیا، یہ کافر اس طرح ہو جائے گا کہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے ساز و سامان کے بدلے بیچ ڈالے گا، صبح مومن اٹھا اور جب کاروبار زندگی میں پہنچا تو فکر لگی ہوئی تھی دنیا جمع کرنے کی اور مال و دولت جمع کرنے کی اور اس دوران مال حاصل کرنے کا ایک ایسا موقع سامنے آیا جس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ دین چھوڑو تو تمہیں یہ دنیا مل جائے گی، اب اس وقت دل میں کش مکش پیدا ہوئی کہ اپنے دین کو چھوڑ کر یہ مال حاصل کر لوں یا اس مال پر لات مار کر دین کو اختیار کر لوں لیکن چوں کہ وہ شخص پہلے سے ٹالنے کا عادی تھا اس لئے اس نے سوچا کہ دین کے بارے میں باز پرس معلوم نہیں کب ہوگی؟ کب مریں گے؟ اور کب حشر ہوگا؟ کب ہمارا حساب کتاب ہوگا؟ وہ تو بعد کی بات ہے ابھی فوری معاملہ تو یہ ہے کہ یہ مال حاصل کر لو۔ اب وہ دنیا کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے اپنا دین بیچ ڈالے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ بندہ صبح مومن اٹھا تھا اور شام کو کافر ہو کر سویا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ (آمین)

''ابھی تو جوان ہیں'' یہ شیطان کا دھوکا ہے لہٰذا کس چیز کا انتظار ہے؟ اگر نیک عمل کرنا ہے اور مسلمان کی طرح زندہ رہنا ہے تو انتظار کس چیز کا؟ جو نیک عمل کرنا ہے، بس جلدی کیجئے۔ اب ہم سب دیکھ لیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہمارے دلوں میں دن رات یہ خیال آتا رہتا ہے کہ اچھا ابھی نیک عمل کریں گے اور شیطان یہ دھوکا دیتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت عمر پڑی ہے، ابھی تو جوان ہیں، ادھیڑ عمر کو پہنچیں گے اور پھر بوڑھے ہوں گے پھر اس وقت نیک اعمال شروع کر دیں گے۔ نبی کریم ﷺ جو حکیم ہیں اور ہماری رگوں سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ شیطان انہیں اس طرح بہکائے گا اس لئے فرما دیا کہ جلدی جلدی کر لو اور جو نیک کاموں کی باتیں سن رہے ہو اس پر عمل کرتے چلے جاؤ، کل کا انتظار مت کرو اس لئے کہ کل آنے والا فتنہ معلوم نہیں تمہیں کہاں پہنچائے گا؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا دھوکا دے کر اس سے کام لیا کرو۔ اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ روزانہ تہجد پڑھنے کا معمول تھا۔ آخر عمر اور ضعف کے زمانے میں ایک دن تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سستی تھی، دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے، سستی بھی ہے اور عمر بھی زیادہ ہے اور تہجد کی نماز کوئی فرض و واجب بھی نہیں ہے، پڑے رہو۔ آج اگر تہجد چھوڑ دو گے تو کیا ہو جائے گا؟

فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بات ٹھیک ہے کہ تہجد فرض و واجب بھی نہیں ہے اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، باقی یہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین پر متوجہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا رہتا ہے کہ کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے، ایسے وقت کو بے کار گزارنا بھی ٹھیک نہیں ہے، نفس کو بہلایا کہ اچھا ایسا کرو کہ اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر تھوڑی سی دعا کر لو اور دعا کر کے سو جانا، چنانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دعا کرنی شروع کر دی، دعا کرتے کرتے میں نے نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اُٹھ کر بیٹھ گئے تو نیند تو تمہاری چلی گئی، اب غسل خانے تک چلے جاؤ اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ پھر آرام سے آ کر لیٹ جانا، پھر غسل خانے پہنچا اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کر لو اس لیے کہ وضو کر کے دُعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے چنانچہ وضو کر لیا اور بستر پر واپس آ کر بیٹھ گیا اور دُعا شروع کر دی، پھر نفس کو بہلایا کہ بستر پر بیٹھ کر کیا دُعا ہو رہی ہے؟ دُعا کرنے کی جو تمہاری جگہ ہے وہیں جا کر دُعا کر لو اور نفس کو جائے نماز تک کھینچ کر لے گیا اور جا کر جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا: اس نفس کو تھوڑا سا دھوکا دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے، جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلوانے کا معاملہ کرتا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ دھوکہ کیا کرو اور اسے کھینچ کھینچ کر لے جایا کرو، انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرما دے گا۔

نیکی کی دعوت دو، برائی سے روکو

''تم بہترین امت ہو اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔'' (القرآن)

انسان اشرف المخلوقات ہے، مسلمان اشرف الناس اور امت محمدیہ اشرف الامم ہے۔ متعدد احادیث میں اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ اس کی تشریح فرما چکے ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید کی مبارک آیت میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ''تم بہترین امت ہو اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو''۔ اللہ رب العزت جس امت کے بہترین ہونے کی گواہی دے رہا ہو تو اس امت کی شان کا موازنہ باقی امتوں سے کیسے ممکن ہے؟

اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف کی تاکید قرآن مجید میں کم وبیش ساٹھ مقامات پر فرمائی جس کا اہتمام خود حق سبحانہ وتعالیٰ مقدس کتاب قرآن مجید میں بار بار فرما رہا ہے۔ اس کی ادائیگی بہ حیثیت مسلمان ہم پر کس قدر لازم ہے، یہ فیصلہ ہم بخوبی کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی نیک لوگوں کے لئے بشارت ہے: ''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں''۔

اس آیت مبارک کی روشنی میں نیک اور صالح مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نرم مزاجی کے ساتھ ناجائز فعل میں مبتلا ہر فرد کی راہ نمائی اور اصلاح کرے اور خود بھی صدق دل سے عمل پیرا ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک ایسا قصبہ تھا جہاں اٹھارہ ہزار مسلمان تھے، وہ سب اتنے پرہیزگار، متقی، نیک اور صالح تھے کہ ان کے اعمال کو انبیاءؑ کے اعمال کے برابر سمجھا جاتا تھا مگر ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور اس کی وجہ محض یہ غلطی تھی کہ اللہ کی نافرمانیاں دیکھ کر انہیں غصہ نہیں آتا تھا بلکہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے لہٰذا اس گمراہی کے باعث وہ بدترین ہلاکت اور عذاب الٰہی کا شکار ہوئے۔

قرآنی آیات اور مبارک احادیث کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہم کسی جگہ

ناجائز اور غیر شرعی کام ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اور اسے نہیں روکتے، خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہتے ہیں تو گویا ہم اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلائے، نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔"

ایک بات یہاں قابل غور ہے، جس عمل کی انفرادیت اور لازم ہونے کا رب کائنات خود حکم فرما رہا ہو تو اس کام کی خیر و برکت کا اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ بے شک ایسی ہی جماعتیں جو دین کے کاموں اور گم راہ لوگوں کی اصلاح پر مامور ہیں، فلاح اور دائمی عزت و مرتبہ اور جنت الفردوس پائیں گے۔

ارشاد ربانی ہے: "عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر و برکت نہیں ہوتی مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ و خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم و تربیت کے لئے خفیہ تدبیر اور مشورے کرتے ہیں، ان کے مشوروں میں البتہ خیر و برکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کرے گا (نہ کہ لالچ یا شہرت کی غرض سے) اسے ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔"

اس مبارک آیت میں اللہ جل شانہ امر بالمعروف کرنے والوں کے لئے بڑے اجر کا وعدہ فرماتا ہے اور جس اجر کا وعدہ اللہ تبارک و تعالیٰ خود فرمائے اس کی انتہا کیا ہوسکتی ہے؟ ثابت یہ ہوا کہ فلاح وہی پائیں گے جو اپنی اسلامی ڈیوٹی پوری دیانت داری اور ایمان داری سے انجام دیں مگر زور اسی بات پر جاتا ہے کہ اصلاح کرنے کے لئے پہلے خود کی اصلاح لازمی ہے، جب ہی اجر عظیم کے حق دار بن سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے محمد ﷺ! اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔ ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے، معاش تو ہم آپ کو دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے"۔

اس مبارک آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب ﷺ سے مخاطب ہو کر واضح طور پر فرمایا ہے کہ دوسروں کو عمل کا حکم اسی وقت دینا ہے جب خود اس پر عمل کرتے ہوں، نتیجہ یہ

نکلا کہ خود اچھے اعمال کا اہتمام کریں گے تب ہی دوسروں پر آپ کی بات کا اثر ہوسکتا ہے۔

''کیا تم لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب اللہ بھی پڑھتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟'' (البقرہ)۔

قرآن مجید کی اس مبارک آیت کے بعد واضح طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتے ہوئے ہی آپ دوسرے کی اصلاح کرسکتے ہیں۔ گویا جو انسان خود باعمل ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی زبان، اس کے وعظ میں اثر عطا فرمائے گا مگر واعظ پر لازم ہوگا کہ وہ شائستگی اور نرم مزاجی کے ساتھ وعظ کرے، اسے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو تاکہ اس کی بات لوگوں پر مثبت اثرات مرتب کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: ''اے موسیٰ، اے ہارون! فرعون سے نرمی کے ساتھ باتیں کرنا۔'' ایک مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے: ''تمہارا دل میری رحمت سے نرم ہوا ہے، اگر تمہارا دل بھی سخت ہوتا تو لوگ تم سے دور ہوجاتے۔''

حضرت اسامہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر وہی شخص عمل کرسکتا ہے جس میں تین خصوصیات پائی جائیں:

(۱) جس بات کا حکم دیتا ہو اس کا علم رکھتا ہو۔

(۲) جس بری بات سے منع کرتا ہو، اسے اچھی طرح جانتا ہو۔

(۳) جو کچھ کہے، آہستگی سے کہے تاکہ اس کی بات دوسروں پر اثر انداز ہوسکے۔

ترجمہ: اپنے رب کی طرف پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے بلاؤ
اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

یعنی اللہ جل شانہ ہمیں احسن طریقے سے دوسروں کو امر بالمعروف کرنے کی تلقین فرماتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے ہمیں حقیقی معنی میں امر بالمعروف پر عمل کرنے کا شعور ملے گا۔ ہمیں یہ بات قطعی نہیں بھولنی چاہئے کہ دل تلوار سے نہیں بلکہ حسن اخلاق سے جیتے جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ ہمیں اخلاق کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



قرآن کریم میں گزشتہ قوموں کا تذکرہ اوراس میں پوشیدہ حکمتیں اور نصیحتیں

ارشاد ربانی ہے: ''کیا ان کی ہدایت کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے بہت سے گزشتہ لوگوں کو(کہ جنہوں نے سرکشی اور فساد کیا تھا) ہلاک کردیا اور یہ ان کے (ویران شدہ) مکانوں میں آتے جاتے ہیں۔ان میں صاحبان عقل کے لئے واضح دلائل ہیں۔'' (سورۃ طٰہٰ)

قرآن کریم میں گزشتہ اقوام کے تذکرے کا بنیادی مقصد عبرت حاصل کرنا ہے، قرآن ان اقوام کے افعال اورانجام کو بیان کرکے انسانی ذہن کو غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہے کہ وہ حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹنے سے پہلے اپنے کردار کا جائزہ لے کر ان برائیوں سے دور رہیں جس کے سبب گزشتہ اقوام یکسر تباہی کا شکار ہوئیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کسی بھی وعظ ونصیحت کی بات سے سبق حاصل نہیں کرتے لیکن گزشتہ لوگوں کے آثارعبرت کے مناظر کا دیکھنا انہیں ہلا کر رکھ دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کے راستے بدل جاتے ہیں۔

یہ تباہ شدہ قومیں اور افراد وہ تھے جنہوں نے اپنے وقت میں دنیا پر حکومت کی، جو طاقت اور دولت کی اس انتہا پر پہنچے کہ بالآخران کے تکبر وغرور نے انہیں خدائی کے دعوے کی طرف مائل کیا، زمین پر خدا بننے والے یہ ظلم وجبر اور نخوت وتکبر کا پیکر افراد اوران کی قوموں کا انجام نہایت بے بسی اور لاچارگی سے ہوا۔

ان میں فرعون، ہامان اور قارون شامل ہیں جو اپنے عہد میں دولت وطاقت واقتدار کا زمین پر مرکز سمجھے جاتے تھے، جنہوں نے ظلم وجبر سے انسانوں کو اپنے آستانے پر جھکایا،

قرآن ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کر دیا، موسیٰؑ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ آئے مگر ان لوگوں نے روئے زمین میں اپنے آپ کو بڑا بنایا (تکبر کیا) مگر وہ ہم پر سبقت لے جانے والے نہ تھے''۔

اس آیت میں ان تین نافرمانوں کا ذکر ہے، جن میں سے ہر ایک شیطانی طاقت کا واضح نمونہ تھا۔ قارون دولت وثروت کا مظہر تھا، ہامان متکبر ظالموں کی معاونت کا نمونہ تھا، فرعون ظلم وجبر کا پیکر تھا، حضرت موسیٰؑ ان تینوں کے پاس روشن دلیل لے کر آئے اور ان پر اتمام حجت کی مگر انہوں نے زمین پر غرور وتکبر اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ قارون اپنی دولت، خزانوں اور علم وہنر پر بھروسا کرتا تھا، فرعون، ہامان اپنے لشکر، فوجی طاقت اور جاہل عوام میں اپنے پروپیگنڈے پر بھروسا کرتے تھے مگر وہ لوگ ان اسباب ظاہری کے باوجود خدا پر سبقت نہ لیجا سکے اور اس کی قدرت کے نیچے سے نکل کر کہیں راہ فرار اختیار نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی زمین کو قارون کو فنا کرنے کا حکم دیا جو اس کے آرام وراحت کا گہوارہ تھی، فرعون اور ہامان کو نابود کرنے کا حکم اس پانی کو دیا جو انسان کے لئے سبب حیات ہے۔ قرآن فرعون اور اس کے حمایتیوں کے انجام کو یوں بیان کرتا ہے: ''ہم نے اسے اور اس کے فوجیوں کو پکڑا اور دریا میں ڈبو دیا''۔ (سورۃ القصص)

وہ دریا جو ان کی حیات کا باعث تھا، اللہ نے اسی کو ان کی موت کا سبب بنا دیا اور دریائے نیل جو ان کی قدرت وعظمت کا باعث تھا، اللہ نے اسے ان کا قبرستان بنا دیا اور یوں فرعون کی خدائی کا سورج اس کے اپنے ملک میں بہنے والے دریائے نیل میں یہ کہہ کر غرق ہوگیا: ''رہے نام اللہ کا''۔

نمرود اپنے وقت کا عظیم بادشاہ تھا۔ آج کی سیاسی اصطلاح میں سپر پاور تھا۔ طاقت اور دولت واقتدار کے نشے نے اسے خدا بننے کی ترغیب دی، اس کے آستانے پر غریب و مظلوم عوم کی نہ صرف گردنیں جھکیں بلکہ انکار کرنے والوں کی گردنیں کٹیں۔ یہ وہ ظالم حکمران تھے جو نبیوں کی آمد کے خوف سے ہزاروں بچوں کو قتل کرا دیتے، فرعون نے موسیٰ

کے خوف سے ہزاروں بچوں کا قتل کرایا مگر چراغ ہدایت کو یہ اپنی پھونکوں سے نہ بجھا سکے۔قرآن میں نمرود کی سرکشی اور تکبر کا تفصیل سے ذکر ہے مگر ظلم کی رات کو بالآخر کٹنا ہوتا ہے۔
نمرود تاریخ میں اپنی بدبختیوں کی مثالیں چھوڑ کر اپنی خدائی سمیت مٹ گیا۔دل چسپ بات یہ ہے کہ اسے ہلاک کرنے کے لئے اللہ نے آسمان سے ملائکہ کی فوج نہیں بھیجی بلکہ ایک معمولی مچھر اس کی موت کا باعث بنا۔

قوم عاد جو قوت و طاقت میں جواب نہ رکھتی تھی ،صرصر کی نذر ہوگئی،قوم ثمود جو پہاڑوں میں مکانات بناتے تھے اور جن کے آثار آج بھی ان کی ذہانت اور طاقت کا ثبوت ہیں،اپنی تمام تر دولت و طاقت کے ساتھ اس آسمانی آواز سے ہلاک ہوگئے جو عذاب کی صورت میں ان کے کانوں پر مسلط کی گئی اور جس نے ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

شداد خدا کے مقابلے پر نکلا تو اس نے اپنی جنت بنانے کا اعلان کیا تا کہ اللہ کی جنت سے عوام کو غافل کر دے۔۳۰۰ سال کی محنت اور عظیم دولت کو صرف کر کے اس نے جنت تیار کی اور جب اپنے ارکان دولت ، وزراء اور مشیروں کی فوج ظفر موج کے ساتھ اپنی جنت کو دیکھنے کے لئے چلا تو اس کے دروازے پر ہی موت کا شکار بن کر اللہ کی تخلیق کردہ دوزخ کا ایندھن بن گیا اور یوں خدا کی جنت کے دروازے تو اس کے لئے بند ہی تھے،زمینی جنت کا دیدار بھی نہ کر سکا اور دنیا میں مال و متاع سے اپنے گھروں کو جنت بنانے والوں کے لئے نقش عبرت بن گیا۔

یہ تمام افراد جن کی گردن میں تکبر کی سلاخیں فٹ تھیں ، جو عوام کی جبینوں کے سجدوں کے عادی تھے اور جنہوں نے کبھی اپنے اختتام کا سوچا بھی نہ تھا،خدائی عذاب نے انہیں محو کر دیا،صرف ان کی تاریخ باقی رہ گئی جو ان کے لئے باعث ننگ و نام ہے،جس نے ان کے ظلم و جبر و تکبر و غرور سے اس طرح پردہ اٹھایا کہ ہمیشہ کے لئے قابل مذمت بن گئے۔ ان میں سے کچھ کے آثار آج بھی موجود ہیں جو ان کی خدائی کے دعووں کی بے چارگی کا پتہ دے رہے ہیں۔

آپ ان اقوام وافراد کی تاریخ کا مطالعہ اوران کے آثار کا مشاہدہ کریں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ قرآن کا بیان حرف بہ حرف حق ہے بلکہ وہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جس کے بارے میں ہمیں خوب غور فکر کرنا چاہیئے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ غافل وہ شخص ہے جو دنیا کی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے اور متغیر ہونے سے نصیحت حاصل نہیں کرتا اور رات اور دن کے بدلنے سے غور وفکر نہیں کرتا۔''

''ان تمام بادشاہوں اوراقوام کی تاریخ کا باریک بینی سے تجزیہ کریں تو چند نتائج اخذ ہوتے ہیں، ان تمام اقوام وافراد کا بنیادی جرم مشترک تھا کہ وہ ظالم تھے، ان کی ہلاکت کا باعث ان کا ظلم تھا، جس کی وجہ سے برباد ہوگئے۔'' (سورۃ نمل)

اسی طرح سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا: کتنی ظالم اور ستم گر آبادیاں ایسی تھیں جنہیں ہم نے تہہ وبالا کر دیا اوران کے بعد ایک دوسری قوم کو میدان آزمائش میں لے آئے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ شہروں کی تباہی اور معاشروں کی بربادی میں ظلم ایک ایسا عنصر ہے جس کے ساتھ کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ظلم مار ڈالنے والی گرج دار بجلی ہے، یہ اجاڑ کر رکھ دینے والا زلزلہ ہے اور ظلم آسمانی چیخ کی مانند تباہ کر دینے والا موت کا پیغام ہے۔

ان ظالم اور ستم گر لوگوں کے پاس جب بھی اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر آئے تو انہوں نے انہیں قتل کیا، شہر بدر کیا، نصیحت حاصل کرنے کے بجائے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی، انہوں نے نبیوں پر تہمتیں لگائیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ جھوٹے جبار اور سرکش لوگ ان تہمتوں اور جھوٹی نسبتوں میں جو وہ عظیم پیغمبروں کی طرف کرتے تھے، ایک عجیب حیرانی میں گرفتار تھے، کبھی انہیں ساحر، جادوگر کہتے اور کبھی مجنون ودیوانہ، حالانکہ ساحر، جادوگر ایک ہوشیار آدمی ہونا چاہیئے، جو باریک کام کرے اور نفسیاتی مسائل اور مختلف چیزوں کے خواص سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حیرت انگیز کام کرے اور لوگوں کو غفلت میں رکھے، جب کہ مجنون ہونا اس صفت کے متضاد ہے۔

اللہ نے ان ظالموں اور سرکشوں کو جو خدائی کے دعوے دار تھے، نابود کرنے کے لئے زمین و آسمان کے لشکر جمع نہیں کیئے، ملائکہ کی فوج نہیں اتاری، اپنی قدرت قاہرہ کا زبر دست مظاہرہ نہیں کیا بلکہ فرعون کی موت پانی سے اور نمرود کی موت مچھر سے ہوئی۔

تاریخ تفریح طبع کے لئے نہیں ہوتی، واقعات وقت گزاری کا ذریعہ نہیں ہوتے، یہ بیدار ذہن اور حساس طبیعت لوگوں کے لئے تنبیہ اور عبرت کا سامان ہوتے ہیں۔ظلم اپنی مکروہ صورت میں آج بھی موجود ہے، دولت و طاقت نے حکمرانوں کو بے حس کر دیا ہے، وہ اپنی بنائی ہوئی جنت میں غفلت کی نیند سو رہے ہیں، انہیں خبر نہیں کہ غربت و افلاس کے مارے لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں، جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے، برتر طبقے کی خرمستیاں عوام کی چیخیں نکال دیتی ہیں اور یہ چیخیں جب عرش تک پہنچتی ہیں تو قدرت کا نظام حرکت میں آتا ہے۔موت اٹل ہے مگر عبرت ناک انجام سے بچنے کی دعا کرنی چاہئے۔ تاریخ میں زندہ رہنے کے دو طریقے ہیں: یا تو عبرت و نا گواریت کے ساتھ یا خلق خدا کے لئے عقیدت و احترام کی مثالیں بن کر، فیصلہ ہم نے خود کرنا ہے۔حکمراں اور بالا دست طبقہ کچھ یاد رکھے یا نہ رکھے مگر حضرت علیؑ کے اس قول کو ضرور یاد رکھے: ممکن ہے دنیا کفر کے ساتھ برقرار رہ جائے لیکن ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔



ایمان کی دولت

دنیا اور آخرت میں فلاح اور کامیابی کی پہلی منزل

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں ''ایمان'' کو رشد و ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے، غم سے اور کم ہمتی اور نا اہلی و بزدلی سے اور بخل و کنجوسی اور لوگوں کے دباؤ سے''۔ (صحیح بخاری)

ایمانی طاقت کی بدولت انسان کس طرح بزدلی سے محفوظ رہتا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ غزوۂ احد میں ابتدائی فتح کے بعد پھر مسلمانوں کو شکست ہوئی، ستر صحابہ کرام شہید ہوئے، حضور ﷺ کو زخم آئے مگر ان سب باتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنگ کا پانسہ پلٹا اور دشمن پسپا ہوگئے۔ اس وقت مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور تھے، بدبخت دشمن نے حضور ﷺ کو بھی زخمی کردیا تھا، مسلمانوں کو صدمہ بھی تھا لیکن یہاں ایک خطرناک بات پیدا ہوجانے کا خطرہ تھا وہ یہ کہ ان کے اندر کہیں بزدلی پیدا نہ ہوجائے اور آئندہ کے لئے کم زور نہ ہو جائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:

''یعنی تم اپنے اندر بزدلی اور سستی کو بالکل نہ آنے دو اور گزشتہ باتوں کا رنج و ملال بھی نہ کرو، آخرکار تم ہی بلند ہوگے، اگر تم مومن رہے''۔

اس قرآنی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور مرجھائے ہوئے جسموں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر قوت کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر استعمال کرو اور اللہ کا بتایا ہوا طریقہ اعتدال اور میانہ روی سے حاصل ہوگا۔ اگر غصے کی قوت کا استعمال ہر جگہ انسان اپنی مرضی سے کرے تو پھر ایک انسان اچھے بھلے

معاشرے میں بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔اہل معاشرہ کی زندگیوں سے سکون رخصت ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں سورہ آل عمران میں فرمایا: جولوگ اللہ کے محبوب ہیں ان کے لئے فرمایا کہ ''غصے پر قابو رکھنے والے اور غصے کو بجھانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اللہ کو پسند ہیں''۔

اللہ کی شان ہے لیکن اگر غصے کی قوت کو بالکل دبا دیا جائے تو پھر انسان مایوس، کم ہمت اور بز دل ہو جاتا ہے، اسی سے بزدلی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔ خالق کائنات نے فرمایا: ''تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو''۔

یہ جذبہ اسی وقت ہوگا جب ہم ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں گے، اسلام اور ایمان اطاعت، بندگی اور اللہ کے احکام کے آگے سرنگوں ہونے کا نام ہے، یہ اسی وقت ہوگا جب ہم پورے طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ ہمارا دین ہمیں جہاں شجاعت و بہادری کی تعلیم دیتا ہے، وہیں تحمل و برداشت اور صبر وضبط کی اہمیت بھی اجاگر کرتا ہے۔ اسلام کی یہ صفت اسے دیگر مذاہب میں ممتاز کرتی نظر آتی ہے۔اپنے نفس پر قابو رکھنا اور اپنے غصے کو برداشت کرنا، یہ بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ اور حضرت علیؓ کا جواب:

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ جنگ کے میدان میں ہیں، مسلح ہیں، دشمن کو زیر کر رہے ہیں، اس کے سینے پر سوار ہیں، قریب ہے کہ نیزہ اس کے سینے کے پار کر دیں کہ دشمن آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیتا ہے۔آپ فوراً اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ دشمن حیران ہو کر سوال کرتا ہے کہ اے علی! تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ اب تو مجھے ضرور قتل کر دینا چاہئے تھا۔

حضرت علیؓ کے جواب پر غور فرمایئے! فرماتے ہیں: پہلے میں تجھے اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے قتل کرتا لیکن اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو شاید اپنے نفس کے غصے کی وجہ سے

قتل کرتا۔معلوم ہوا کہ انسان محض اپنے غیظ وغضب کو تسکین پہنچانے کے لئے انتقامی کارروائی کرے تو وہ بزدلی ہے، بہادری نہیں۔قرآن کریم نے ایک اصول بیان کردیا کہ ”تم ہی بلند رہو گے، اگر ایمان دار ہوئے۔“

جہاں ایمان کی طاقت ختم ہوگی وہاں پر بزدلی جنم لے گی اور جب انسان ایمان کو اپنے اندر پختہ کرلیتا ہے اوراس کے تمام لوازمات کو پورا کرتا ہے، ان پر ثابت قدم رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جولوگ یہ کہہ دیں کہ ہمارا رب، پالنے والا اللہ ہے پھراس پر ثابت قدم رہیں تو فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں تاکہ وہ نہ ڈریں، نہ غمگین ہوں“۔

لہٰذا اگر ہمارا ایمان ہے تو یقین جانئے کہ ہمارے نزدیک بزدلی پر بھی نہیں مار سکتی اور بزدلی تو ایسی بری چیز ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا ”اے اللہ! میں بزدلی کے بارے میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں“۔

ایمان بندہ مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، وہ ہر حال میں اللہ ہی سے لو لگاتا ہے ،اسے ہی اپنا پروردگار، مشکل کشا اور حاجت روا مانتا ہے۔ایمان اور استقامت کا یہ جذبہ اس کے دل میں وہ قوت اور طاقت پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو اپنے پائے استقامت سے ٹھکرا دیتا ہے۔یہی جذبہ درحقیقت ایمان کی طاقت اور دین ودنیا میں سرفرازی کا ذریعہ ہے۔

کاشانۂ نبوت ﷺ کی ساری کائنات ایک چٹائی، ایک تکیہ، کچھ پتے، چند مٹھی جو اور کچے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر مشتمل تھی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی حَصِیْرٍ وَتَحْتَ رَأْسِہٖ وِسَادَۃٌ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُھَا لِیْفٌ فَجَلَسْتُ فَاَدْنٰی عَلَیْہِ اِزَارَہٗ وَلَیْسَ عَلَیْہِ غَیْرُہٗ وَاِذَا الْحَصِیْرُ قَدْ اَثَّرَ فِیْ جَنْبِہٖ فَنَظَرْتُ بِبَصَرِیْ فِیْ خِزَانَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

ﷺ فَاِذَا اَنَا بِقَبْضَةٍ مِنْ شَعِيرٍ نَحْوَ الصَّاعِ وَمِثْلِهَا قَرَظًا فِيْ نَا حِيَةِ الْغُرْفَةِ فَاِذَا اَفِيْقٌ مُعَلَّقٌ قَالَ : فَابْتَدَرَتْ عَيْنَاىَ قَالَ ((مَا يُبْكِيْكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ؟))قُلْتُ : يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَمَالِيَ لا اَبْكِيْ وَهٰذَا الْحَصِيْرُ قَدْ اَثَّرَ فِيْ جَنْبِكَ وَهٰذِهٖ خِزَانَتُكَ لَا اَرٰى فِيْهَا اِلَّا مَا اَرٰى وَذَاكَ قَيْصَرُ وَكِسْرٰى فِي الثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَصَفْوَتُهٗ وَهٰذِهٖ خِزَا نَتُكَ فَقَالَ ((يَا بْنَ الْخَطَّابِ ! اَلا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَنَا الْاٰخِرَةُ وَلَهُمُ الدُّنْيَا ؟)) قُلْتُ : بَلٰى . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، میں بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا تہبند اوپر کرلیا، تہبند کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس کوئی دوسرا کپڑا نہیں تھا۔ چٹائی پر لیٹنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نشان پڑ گئے تھے۔ میں نے کاشانہ نبوت میں نظر دوڑائی تو چند مٹھی جو، جو ایک صاع کے قریب تھے، کچھ پتے اور ایک کچے چمڑے کا ٹکڑا لٹکا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''کیوں نہ روؤں، یہ ایک چٹائی ہے جس نے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نشان ڈال دیئے ہیں اور آپ کے گھر کا سارا اثاثہ یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں جبکہ قیصر و کسریٰ مال و دولت میں عیش کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور برگزیدہ ہیں آپ ﷺ کے پاس صرف یہ چند چیزیں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابن خطاب! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ ہمارے لئے آخرت کی نعمتیں ہوں اور ان کافروں کے لئے دنیا کی نعمتیں؟ میں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! میں راضی ہوں۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔



رسول اللہ ﷺ کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَدَمٍ وَحَشْوُهُ مِنْ لِيْفٍ . رَوَاهُ الْبُخَارِيّ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے، اگر کھجور میسر ہوتی تو دوسرے وقت کھجور کھالیتے ورنہ فاقہ فرماتے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا اَكَلَ اٰلُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَكْلَتَيْنِ فِيْ يَوْمٍ اِلَّا اِحْدَاهُمَا تَمْرٌ . رَوَاهُ الْبُخَارِي

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: محمد ﷺ کے گھر والوں نے ایک دن میں جب دو بار کھانا کھایا تو دوسری بار کا کھانا کھجور ہوتی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

مدینہ منورہ آمد کے بعد رسول اکرم ﷺ کو مسلسل تین دن تک کبھی گیہوں کی روٹی میسر نہیں آئی

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ مِنْ طَعَامِ الْبُرِّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتّٰى قُبِضَ .رَوَاهُ الْبُخَارِي .

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اور آپ ﷺ کی وفات تک محمد ﷺ کے گھر والوں کو مسلسل تین دن تک گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر کبھی میسر نہیں آئی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

میدے کی روٹی آپ ﷺ نے عمر بھر نہیں کھائی

عَنْ اَنَسٍ ؓ وَعِنْدَهٗ خَبَّازٌ لَهٗ قَالَ : مَا اَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ خُبْزًا مُرَقَّقًا وَلَا شَاةً مَسْمُوْطَةً حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ .رَوَاهُ الْبُخَارِيّ .

حضرت انسؓ کے پاس ان کے باورچی بھی موجود تھے (باورچی کے سامنے) حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک میدے کی روٹی اور کھال سمیت بھنی ہوئی بکری کبھی نہیں کھائی۔اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

عمر کے آخری حصہ میں آپ ﷺ کو جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوئی

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ؓ ﷺ نَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَاْكُلَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنَ الْخُبْزِ الشَّعِيْرِ . رَوَاهُ الْبُخَارِيّ .

حضرت ابو ہریرہؓ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے،ان کے آگے بھنی ہوئی بکری رکھی تھی۔انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس حال میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہیں کھائی۔اسے بخاری نے روایت کیا ہے

وفات مبارک سے پہلے آپ ﷺ کی غذا کھجور اور پانی پر مشتمل تھی

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ حِيْنَ شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ اَلتَّمْرُ وَالْمَاءُ.رَوَالْبُخَارِى

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت ہم دو سیاہ چیزوں سے اپنا پیٹ بھرتے تھے: کھجور اور پانی۔اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وفات مبارک سے قبل آپ ﷺ کے پاس ایک خچر، کچھ ہتھیار اور کچھ خیبر اور فدک کی زمین تھی جسے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی وقف فرما دیا تھا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ رَضی اللّٰه عنه قال : مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ دِيْنَارًا وَ لَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَةً اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءُ الَّتِيْ كَانَ يَرْ كَبُهَا وَسَلَاحَهُ اَوْ اَرْضًا جَعَلَهَا لِاِبْنِ السَّبِيْلِ صَدَقَةً .رَوَاهُ الْبُخَارِیّ٥

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دینار، درہم، غلام، لونڈی کچھ بھی نہ چھوڑا، سوائے ایک سفید خچر کے جس پر آپ ﷺ سواری فرماتے اور ہتھیار چھوڑے یا پھر کچھ زمین تھی جسے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی مسافروں کے لئے صدقہ فرما دیا تھا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وفات کے وقت آپ ﷺ کے ہاں درہم تھا نہ دینار، بکری تھی نہ اونٹ اور نہ ہی کوئی اور قابل وصیت چیز تھی

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَلَتْ : مَاتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمً وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرً اوَلَا اَوْصٰى بِشَيْئٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے (وفات کے بعد) دینار چھوڑا نہ درہم، بکری چھوڑی نہ اونٹ، نہ ہی کوئی اور قابل وصیت چیز چھوڑی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جو (۷۵ کلوگرام) کے عوض رہن تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : تُوَفِّیَ النَّبِیُّ ﷺ وَدِرْعُهُ مَرْ هُوْ نَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِیّ بِثَلَا ثِيْنَ يَعْنِیْ صَاعًا مِنَ شَعِيْرٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِیّ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی تھی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وفات کے وقت آپ ﷺ کا لباس ایک موٹے کپڑے کے تہبند اور پیوند لگے کمبل پر مشتمل تھا

عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَؓ قَالَ: اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اِزَارًا غَلِیْظًا وَکِسَاءً مُلَبَّدًا، فَقَالَتْ: فِیْ هٰذَا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ نے ہمارے سامنے ایک موٹا تہبند اور ایک پیوند لگا کمبل نکالا اور فرمایا کہ آپ ﷺ کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی تھی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے ساری زندگی کسی مسافر کی طرح بسر فرما دی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ اِضْطَجَعَ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی حَصِیْرٍ فَاَثَّرَ عَلٰی جِلْدِهٖ فَقُلْتُ: بِاَبِیْ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَوْ کُنْتَ اٰذَنْتَنَا فَفَرَشْنَا لَکَ عَلَیْهِ شَیْئًا یَقِیْکَ مِنْهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِنَّمَا اَنَا وَالدُّنْیَا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَهَا)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کے نشان آپ ﷺ کے بدن مبارک پر نظر آرہے تھے۔ میں نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں حکم فرماتے تو آپ کے لئے بستر بچھاتے جس پر آپ آرام فرماتے''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا دنیا سے کیا واسطہ؟ میرا دنیا سے بس اتنا ہی تعلق ہے جتنا کوئی مسافر کسی درخت کے سائے تلے چند لمحے آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے روانہ ہو جاتا ہے۔'' اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

گناہوں کا ارتکاب

اللہ کی نافرمانی اور نیکیوں کی بربادی کا سبب

''گناہ'' ایک ایسا عمل ہے جس کے باعث بندہ اللہ کا باغی بن جاتا ہے۔ بے شک یہ وہ عمل ہے جو مذاق سے بھی اختیار کیا جائے تب بھی اس کے اثرات تمام معاملات زندگی میں ذلت ورسوائی بن کر شامل ہو جاتے ہیں۔

حضرت جبیر بن نصیرؒ نے حضرت ابو درداءؓ کو دیکھا، وہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو درداءؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ایسے موقع پر جب ''قبرص'' فتح ہوا، یہ رونا کیسا ہے؟ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا: اے جبیرؒ، افسوس تم نہیں سمجھتے کہ جب کوئی قوم اللہ کا حکم نہیں مانتی تو وہ اللہ کے نزدیک کس قدر ذلیل و بے وقعت ہو جاتی ہے، دیکھو یہ قوم جو برسر حکومت تھی، اس نے اللہ کے احکام کو چھوڑا اور ذلیل و خوار ہوئی۔ گناہ اللہ جل شانہ کے احکام کی ''نافرمانی'' کا نام ہے۔ یہی نافرمانی پہلے بندے کو باغی بناتی ہے پھر گناہوں کے اس دلدل میں پھنسا دیتی ہے جس سے نکلنے کی ایک ہی راہ ہے، وہ راہ ہے اپنے اعمال سے تائب ہونا اور سچے دل سے اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کو ترک کرنا۔

کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ آج ہم اپنی زندگی کو جس راہ پر گامزن کئے ہوئے ہیں، اس پر چل کر ہم دنیوی فوائد تو حاصل کر سکتے ہیں، جس پر یقین سے کوئی نہیں کہتا کہ آیا فوائد مل بھی سکتے ہیں یا نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ راہ ہماری متعین کی ہوئی ہے۔ کاش! ہم سمجھ سکیں کہ یہ ''صراط مستقیم'' نہیں ہے ''گمراہی کا راستہ'' ہے۔ دنیا کی طلب، چاہت، اور ہمارا نظریہ دنیا میں آنے کا مقصد بن گیا ہے جو کہ حدیث مبارکہ کی رو سے تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ گناہوں کا ارتکاب خواہ ذاتی ہو یا اجتماعی، ایک ایسا فعل ہے کہ جس کے باعث شرم وحیا اور غیرت جاتی رہتی ہے، اس کی وجہ سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

نے تمہارے قلب میں ایک نور ڈالا ہے، اس نور کو تاریکی، معصیت سے بچا مت دینا۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت کیا: اگر انتہائی کالی رات ہو اور ایک انتہائی کالا پتھر ہو، اس پتھر پر ایک سیاہ ترین چیونٹی چل رہی ہو تو کیا تم اس چیونٹی کو دیکھ سکتے ہو؟ صحابہؓ کرام نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: بے شک، شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ جو باری تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

مسلمان کی تو پوری زندگی ''احساس'' ہے، قدم قدم پر اسے اپنے رب کے احکام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پاس رکھنا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے دنیا میں گزاری ہوئی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے، وہ اگر چاہے تو ذرے ذرے کا حساب لے سکتا ہے اور معاف کرنے پر آئے تو پہاڑ جیسا بڑا گناہ بھی معاف کر دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ''معافی نامہ'' داخل ہو، اس وعدے کے ساتھ کہ اب ایسا نہ ہوگا'' اور اس پر قائم بھی رہا جائے۔ کاش، ہم سمجھ سکتے کہ ''گناہ'' نام ہے اللہ کی نافرمانی کرنے کا، اسی وجہ سے آج ہم دنیا میں ذلت و رسوائی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ کے احکام سے منہ موڑنا ہی تو ''گناہ'' ہے اور یہ نافرمانیاں اتنی ہو چکی ہیں کہ اگر ان کا احاطہ کیا جائے تو ''گناہوں'' کے بوجھ کا ایک ایسا ''گٹھا'' بن جائے جو اٹھائے نہ اٹھے۔ اسی گناہ کے گٹھے کو سر پر لادے، ہم نے پل صراط سے گزرنا ہے۔ یہ کون سوچے، اس وقت تو دنیا کی زینتیں ہیں اور ہم ہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے، کیسی کیسی نافرمانیوں پر سزائیں ہوں گی۔ قرآن کریم میں نافرمانوں کی سرکشی اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ اس نے ہمیں جو دستور دیا ہے کیا اس دستور کے مطابق ہم زندگی گزار رہے ہیں؟

ہم غفلت میں پڑے ہیں۔ نافرمانیوں (گناہوں) کا اثر محسوس نہیں کرتے۔ آقائے نامدار ﷺ کے اقوال مبارکہ کو سچے دل سے پڑھ لیں شاید اپنی ''بربادی'' کی وجہ سمجھ میں آ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں بے حیائی پھیل جائے گی، زنا کاری شراب نوشی اور گانا بجانا عام ہو جائے گا، اس وقت اللہ کا عذاب زلزلے، طوفان بادو باراں سیلاب اور متعدی بیماریوں کے ذریعے نازل ہوگا، غور کریں سرکار دو عالم ﷺ نے اللہ کے عذاب سے متعلق جو ارشاد فرمایا، کیا یہ آج عام نہیں؟

ایک موقع پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: آدمی گناہ کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے ’’جی ہاں، رزق جس سے آج ہم ایسے محروم ہو گئے کہ آئے دن خودکشیاں، ہنگامے، لوٹ مار ، کس لئے ، صرف دو وقت کی روٹی کے لئے حالانکہ رزق کا وعدہ اللہ نے فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے مصائب اور پریشانیوں کی وجہ صرف اور صرف نافرمانیوں کا عمل اور قدم قدم پر گناہوں کا ارتکاب ہے۔ آج باوجود اس کے کہ ہم جانتے ہیں کہ ’’مرنا‘‘ ہے، ابدی زندگی پر ایمان ہے ، پھر بھی اس زندگی کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں، عاقبت کی خبر خدا جانے، یہ کہنا بھی گناہ ہے ، نافرمانی ہے۔ ہماری نافرمانیاں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ نافرمانی چھوٹی ہو یا بڑی، نافرمانی ہے، گناہ ہے۔ اگر آپ صاحبِ اولاد ہیں اور اولاد کو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ رکھے ہوئے ہیں تو یہ بھی اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہے۔

کاش ہم اپنی نافرمانیوں پر نظر ڈالیں ، نافرمانیوں کو رونے سے پہلے اپنی ’’شناخت‘‘ پر نظر ڈالیں کہ یہ بھی مٹ گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جس قوم کی وضع اختیار کرے گا وہ ان ہی (اسی قوم) میں شمار ہوگا۔ ذرا غور کریں کہ ہماری وضع قطع کیا ہے؟ کیا یہ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہے؟ ذرا خود پر نظر ڈالیں۔ دوسری قوم کی وضع اختیار کرنا بھی نافرمانی ہے۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جائیں۔ گناہ اور نافرمانیوں سے تائب ہو کر آخرت سنوار لیں کہ وہ وقت جانے کب آ جائے، کس لمحہ آ جائے، جس کے بعد توبہ اور معافی کی کوئی گنجائش نہیں یعنی موت۔

حضور پر نور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے سچی توبہ کی اور پختہ عہد کیا کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ سبحان اللہ! آخرت کے معاملات میں بچاؤ (دفاع) کا کتنا آسان طریقہ سرکارِ دو جہاں ﷺ نے بتا دیا، کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ کم از کم نافرمانیوں سے توبہ کر لیں؟ کوشش کریں، اللہ تعالیٰ نہ صرف قبول فرمائے گا بلکہ ہماری مدد بھی فرمائے گا۔ ’’بے شک اللہ کی رحمت نیک عمل کرنے والے سے قریب ہے‘‘ القرآن۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہم سب کی توبہ قبول فرمائے گا۔ فرمایا گیا: اے ایمان والو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (سورۃ النور)



توبہ استغفار

استعادہ وہ عمل ہے جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان ربوبیت و رحمانیت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور اطمینان وسکون عطا ہوتا ہے اور توکل کی دولت نصیب ہوتی ہے، ایسے لوگوں میں کسی کی ایذا رسانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا لہٰذا اس عمل کو عادت بنالیا جائے کہ جب بھی کوئی خطرہ محسوس ہو تو دل کی گہرائی سے اعوذ باللہ کہہ دیا جائے ۔جب اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو گے تو خود نظر آ جائے گا کہ جوں جوں خطرات آگے بڑھ رہے ہیں ویسے ہی رحمت خداوندی اس سے بچاؤ کے عجیب و غریب راستے کھول رہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل اعمال ہیں: شکر، صبر، توبہ، استغفار اور استعادہ۔

ان کی پابندی کرلیں اور عادت ڈال لیں، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ پوری زندگی دین کے مطابق ہوتی چلی جائے گی، دین و دنیا بھی محفوظ رہیں گے اور گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے رغبت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا چلا جائے گا۔

انسان کی زندگی میں کل تین زمانے آتے ہیں: ماضی، حال اور مستقبل، استغفار کے ذریعے ماضی محفوظ ہوگا، شکر اور صبر سے حال محفوظ ہوگا، توبہ واستغفار سے مستقبل محفوظ ہوگا۔ جب تینوں زمانے محفوظ ہوگئے تو پوری زندگی محفوظ ہوگئی۔ ان چاروں اعمال کی جو شخص عادت ڈال لے گا وہ ان شاء اللہ بروقت اللہ کی مدد ونصرت کو محسوس کرے گا، انشاء اللہ۔ اس کی پابندی کرنے سے بے شمار گناہوں اور حادثات و مصائب سے حفاظت ہو جائے گی۔ اللہ ہم سب کو ان اعمال کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامت کے متعلق حضرت جبرائیلؑ کا استفسار

حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئیگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کے متعلق علم نہیں ہے۔ عرض کی: کوئی نشانیاں بتا دیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

۱: جب جوان اولادیں والدین کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرنے لگیں۔

۲: جب عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی نظر آئیں، لباس مختصر سے مختصر ہوتا چلا جائے۔

۳: جب گانے والے اور گانے والیاں معزز ہوجائیں سرعام اپنے جسموں کی نمائش کرنے لگیں تو سمجھو قیامت آرہی ہے۔

حدیث: عمران بن حصنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس امت میں بھی دھنسنے، صورت مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش ہونے کے واقعات ہوں گے۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! ایسا کب ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: جب آلات موسیقی کا رواج عام ہوجائے گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کریں اور گناہوں سے دور رہیں، اپنی زندگی قرآن اور سنت کے مطابق گزاریں۔



نورنبوت

فقراء کے نام حضورﷺ کا پیغام:

بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال
تونگری بہ دل است نہ مال

حضرت انس ابن مالکؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہﷺ کی خدمت اقدس میں فقراء نے اپنا ایک قاصد بھیجا۔اس نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں فقراء کا قاصد ہوں۔حضورﷺ نے فرمایا: مرحبا،تمہارے لئے بھی اوران کے لئے بھی جن کے پاس سے تم آئے ہو۔تم ایسے لوگوں کے پاس سے آئے ہوجن سے میں محبت کرتا ہوں۔قاصد نے عرض کیا کہ فقراء خدمت اقدس میں عرض گزار ہیں کہ تمام نیکیاں مال داروں ہی کے حصے میں آگئیں اورایک روایت میں اس طرح آیاہے کہ مال دار جنت حاصل کر گئے۔وہ لوگ حج کرتے ہیں اورہم اس پر قدرت نہیں رکھتے،وہ صدقہ خیرات دیتے ہیں اورہم اس پر قادر نہیں،وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے،وہ جب بیمار ہوتے ہیں تو اپنی آخرت کی جانب اپنا زائد مال بہ طور ذخیرہ بھیج دیتے ہیں (یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں)

یہ سن کر رسول اللہﷺ نے فرمایا:"میری جانب سے فقراء کو یہ پیغام پہنچادو کہ تم میں جو صبر پر کاربند اورثواب آخرت کے آرزومند ہیں،ان کے لئے تین ایسے مخصوص درجات ہیں جو مال داروں کے لئے نہیں ہیں۔پہلا یہ کہ جنت میں یاقوت سرخ کے کچھ ایسے بالا خانے ہیں جنہیں اہل جنت اس طرح دیکھیں کہ جیسے اہل دنیا آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں،ان میں سوائے نبی یا شہید یا مومن فقیر کے اورکوئی نہیں جائے گا،دوسرا یہ کہ فقراء مال

داروں سے نصف یوم پہلے جنت میں جائیں گے،اس آدھے دن کی مدت پانچ سو سال ہے،تیسرا یہ ہے کہ جب فقیر ''سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' خلوص کے ساتھ کہے اور مال دار انسان بھی اس طرح کہے تو مال دار اس فقیر کی فضیلت اور ثواب کو نہیں پہنچے گا، خواہ مال داران کلمات کے ساتھ دس ہزار درہم بھی خرچ کر ڈالے اور تمام اعمال حسنہ کا یہی معاملہ ہے۔

جب قاصد نے جا کر انہیں یہ خبر دی تو سب نے کہا: ''ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں''۔

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فقراء سے جان پہچان زیادہ رکھو، ان سے اچھا سلوک کرو کیوں کہ ان کا بھی ایک دور آئے گا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ ان کا دور کیا ہے؟ فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ان سے کہا جائے گا کہ جس نے تمہیں روٹی کا ایک ٹکڑا کھلایا ہو یا تمہیں ایک کپڑا پہنایا ہو یا کچھ پلا کر سیراب کیا ہو، اسے تلاش کرو اور اسے ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔

حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے دیکھ جس نے تجھے کھلایا، پلایا یا کپڑا پہنایا۔ اس کے بعد حدیث شریف کا بقیہ حصہ ذکر فرمایا۔

مسکینوں اور فقراء سے حضور اقدس ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین (بنا کر) دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ ہی میرا حشر فرما''۔ مساکین کی فضیلت کے لئے یہ حدیث شریف اور دعا کافی ہے۔ اگر چاہتے تو فرماتے کہ مساکین کا حشر میرے زمرے میں فرما مگر جب خود سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرا حشر زمرۂ مساکین میں فرما پھر بھلا مساکین کے فضائل مراتب کا کہنا ہی کیا؟



ریا کاری

نیکیوں کی بربادی کا بنیادی سبب

ریا کاری یعنی مخلوق کو دکھانے اور ان سے تعریف چاہنے کے لئے کوئی نیک عمل کرنا ، یہ ایمان اور توحید کے منافی ہے۔ قرآن کریم میں خبردار کیا گیا ہے کہ ریا کار لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

''سورۃ البقرہ'' میں فرمایا گیا ہے: اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر، اس خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ریا کاری خود اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا، اس کا محض لوگوں کو دکھانے کا عمل کرنا صریحاً یہ معنی رکھتا ہے کہ مخلوق ہی اس کی خدا ہے جس سے وہ اجر چاہتا ہے، اللہ سے نہ اسے اجر کی توقع ہے اور نہ اسے یقین ہے کہ ایک روز اعمال کا حساب ہوگا۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! شرک اصغر کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ریا (مسند احمد)

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کوئی نیک عمل صرف مخلوق کو دکھانے اور ان سے تعریف چاہنے کے لئے کرتا ہے تو یہ اللہ کی عبادت نہیں بلکہ محض مخلوق کی پرستش ہے اور اگر لوگوں میں

شہرت اور حق تعالیٰ کی رضا دونوں مطلوب ہوں تو یہی چیز شرک ہے۔ زیر نظر حدیث مبارکہ میں اسی کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا: ''اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر، سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت ہی بری رفاقت میسر آئی۔ (سورۃ النساء)

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ کوئی نیک کام بھی خالص نیت کے ساتھ اللہ کے لئے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دوسروں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ ان کی تعریف ہو، لوگ انہیں نیکوکار سمجھیں اور ان کے کار خیر کا ڈھنڈورا دنیا میں ہو تو ان کا یہ عمل نیکیوں کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

☆ ریا کاری کے درجے :۔ ریا کاری کے مختلف درجے ہیں۔ سب سے بڑی ریا کاری یہ ہے کہ محض ریا کاری یعنی نام و نمود اور لوگوں کو دکھانے کی نیت ہو، ثواب کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ کوئی شخص دوسرے کی موجودگی کے باعث نیک عمل کرتا ہے، اگر اکیلا ہوتا تو نہ کرتا۔ احادیث کے مطابق ایسا شخص عذاب میں مبتلا ہوگا۔ جب ثواب کی نیت غالب ہو مثلاً اگر اکیلا ہوتا تو بھی نیک عمل کرتا لیکن دوسرے کی موجودگی میں نماز، روزہ آسان تر ہو جاتا ہے۔ جس قدر ریا ہوگی اسی قدر عذاب ہوگا یا ثواب میں کمی ہو جائے گی۔

☆ ریا کاری کا انجام: احادیث نبوی ﷺ میں ریا کاری کرنے والے کو سخت عذاب سے متنبہ کیا گیا ہے اور اس بات سے بھی خبردار کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ آخرت میں اپنے اعمال کا کچھ بدلہ نہ پائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم ''جب الحزن'' سے پناہ مانگا کرو۔ عرض کیا گیا ''جب الحزن'' (غم کی خندق) کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے، خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس میں کون لوگ جائیں گے؟ ارشاد فرمایا: جو دوسروں کو دکھانے کے لئے

اچھے اعمال کرتے ہیں۔" (ترمذی)

دوسری حدیث کے مطابق تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے دوزخ کو بھڑکائے گا: ایک ریاکار مجاہد، دوسرا ریاکار سخی اور تیسرا ریاکار قاری، ان سب نے محض دکھاوے کے لئے نیک کام کئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ریاکاری دراصل آخرت سے غفلت اور معرفت خداوندی سے محرومی کا نتیجہ ہے۔اس کا علاج یہی ہے کہ انسان اللہ کی قدرتوں، حکمتوں اور کمالات میں غور وفکر کرے۔قرآن مجید کی تلاوت غور وتدبر سے کرے اور موت کو کثرت سے یاد رکھے۔

انتہائی احمق ہیں وہ لوگ جو اپنے حقیقی محسن اور قادر مطلق سے بے رخی برت کر اپنے ہی جیسے بے بس، ضعیف اور بے وفا انسانوں کی رضا جوئی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں۔آج اگر بالفرض ساری دنیا کے لوگ بھی ایک شخص کے معتقد بن جائیں اور اس کی تعریفوں کے گن گانے لگیں تو بہت جلد وہ وقت آئے گا جب وہ نہ خود رہے گا ورنہ اس کی عزت کرنے والے لوگ، سب اپنی اپنی قبروں میں پہنچ کر ہر دوسرے سے بے گانے ہوجائیں گے۔صرف نیک اعمال ہی وہ قیمتی متاع ہیں جو قبر کے اندھیروں میں چراغ کا کام دیں گے اور حشر کی سختیوں میں انسان کے رفیق وغمگسار بنیں گے۔کس قدر محروم ہیں وہ لوگ جنہوں نے عبادتیں بھی کیں، اطاعت کی کٹھن راہوں پر چلنے کے لئے جدوجہد بھی کی اور خود ہی اپنی ساری محنتوں کو برباد کرلیا۔اس لئے ضروری ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال خلوص دل اور سچے جذبے کے ساتھ کرے تاکہ وہ بارگاہ الٰہی میں قبول اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ریاکاری جیسے خطرناک مرض سے محفوظ رکھے۔(آمین)



نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا

نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا اسلامی تعلیمات کا بنیادی جزو ہے لیکن اسلام کا مقصد صرف فرد واحد کو صالح اور متقی بنانا نہیں بلکہ پورے معاشرے اور پوری نسل انسانی کو راہ راست پر لانا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے پرزور الفاظ میں تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح پر اکتفانہ کریں بلکہ نیکی پھیلانے اور برائی کو روکنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا فریضہ ہے جو نہ صرف انسان کو آخرت میں نجات کا مستحق قرار دیتا ہے بلکہ دنیا میں بھی امن وسکون اور طمانیت کا پیغام دیتا ہے۔ نیکی کی دعوت دینے سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے، آدمی حق پر قائم رہتا ہے اور بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے، یہ اس لئے کہ اول تو انسان جب کسی بات کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے تو خود اس کے دل میں اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، دوئم یہ کہ اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے، سوئم یہ کہ وہ جس کام سے دوسروں کو روکتا ہے تو اس سے خود بھی رک جاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اسے برائی کی طرف جانے سے روکتے ہیں۔ اس طرح آدمی کو بہت سے عوامل نیکی کی راہ پر چلنے اور بہت سی برائیوں سے بچانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

انجام سے غافل لوگ

یہ عذاب محض اس لئے ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت ہی نہیں دیا کرتا، یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور یہی لوگ اپنے انجام سے بالکل غافل ہیں۔ (القرآن سورۃ نحل: ترجمہ آیات ۱۰۸، ۱۰۷)

گئے گزرے لوگ

''آپ ﷺ نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ کیا آپ ﷺ ایسے شخص پر نگہبان ہو سکتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ یہ خیال

کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ نہیں! یہ تو محض جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گئے گزرے۔ (سورۃ الفرقان: آیات ۴۴،۴۳)

تنگ وترش زندگی

پس جس نے اللہ کی نصیحت سے منہ موڑا اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کو تنگ کر دیگا اور قیامت کے دن اس کو اندھا کر کے اٹھائے گا۔ وہ کہے گا اللہ تعالیٰ! مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دنیا میں اچھا بھلا دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا، تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے ان کو بھلا دیا۔ اس طرح سے آج ہم تمہیں بھلا دیں گے اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔

(سورۃ طہٰ: ترجمہ آیات ۱۲۷،۱۲۴)

سرکشی

پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور ترجیح دی ہوگی دنیا کی زندگی کو، دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا بری خواہش سے، یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

گلوبل اسلامک مشن

غافل لوگ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی ہی پر راضی ہو گئے اور اسی سے جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں O یہی لوگ ہیں جن کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوگا ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ O (سورۂ یونس (۱۰)..........ترجمہ آیات ۷،۸)

اصلاح کا عمل

سوال: آدمی کو اصلاح کا عمل کہاں سے شروع کرنا چاہئے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ کریم کی آیت نمبر ٦ میں ارشاد فرمایا ہے: اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور تند خو اور سخت مزاج فرشتے متعین ہیں جو اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم بھی دیا جاتا ہے وہ اسے فوراً بجالاتے ہیں (سورۃ تحریم، نمبر ٦)۔

اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کریں، ان کو آگ کا ایندھن بننے سے بچائیں۔ انسان جہنم کے اندر ذلت ورسوائی میں پتھر کی طرح ہوگا۔ جس طرح پتھر کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اسی طرح انسان کی بھی قدر و قیمت نہیں ہوگی اور جس طرح پتھر کو پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح بغیر کسی رعایت کے انسان کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

وہ آگ کس قدر زبردست اور شعلہ بار ہوگی جس کا ایندھن پتھر ہوں گے۔

اور اس شخص کا عذاب کتنا سخت ہوگا جس سخت عذاب کے ساتھ ساتھ ذلت ورسوائی کا بھی سامنا ہوگا۔ ہر شخص حاکم ہے اس سے قیامت کے دن اس کے اہل وعیال اور ماتحتوں کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ جن لوگوں کو بھی اس نے سیدھے راستے پر لگایا ہوگا، صدقہ جاریہ تنہا یا مشترکہ کیا ہوگا اس کا ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے نامہ اعمال میں درج کیا جاتا رہے گا اور اگر اس نے اپنے اہل وعیال کو بری باتوں اور برے کاموں سے نہ روکا ہوگا اور گناہوں کے کاموں میں ان کو لگایا ہوگا تو اس کے مرنے کے بعد بھی ان لوگوں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں مسلسل درج کئے جاتے رہیں گے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو زیادہ ترجیح دے کیونکہ وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کرے، تمام بری باتوں، بے حیائی اور گناہوں سے مکمل طور پر رک جائے اور نیکی کا سیدھا راستہ، پرہیزگاری اختیار کرے جس میں اس کا دین اور دنیا دونوں کا فائدہ ہے۔

تقویٰ کی اہمیت

تقویٰ آفات وبلیات سے نجات پانے کا ذریعہ ہے

تقویٰ کے معنی پرہیزگاری اختیار کرنا، ڈرنا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ راستہ میں خاردار جھاڑیاں ہوں اور انسان جب ان خاردار جھاڑیوں کے راستہ سے گزرتا ہے تو وہ اپنے دامن کو تھامتے ہوئے اور ان خاردار جھاڑیوں سے بچاتے ہوئے کہ کہیں کانٹے اس کے دامن میں نہ لگ جائیں، گزرتا ہے۔پس دنیا میں اپنے آپ کو خدا کی نافرمانی سے ایسے ہی بچاتے ہوئے زندگی بسر کرنے کا نام تقویٰ ہے۔جب ہم اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اس راہ پر آگے بڑھتے ہیں تو ہم پر واضح ہوتا ہے کہ دنیاوی زندگی کا جو مقام انسانیت کو عطا ہوا ہے وہ ایک دشت خاردار ہے (جنگل کی مانند جس میں جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں ہیں) جس کے ہر گوشے میں اپنے دامن حیات کو احتیاط سے تھامے رہنا ضروری ہے۔پس اس حقیقت کو ذیل کی آیت مبارک میں ہم پا رہے ہیں۔

اے ایمان والوں! ہر حیثیت سے اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ ڈرنے کا اس سے حق ہے اور نہ مرو تم مگر یہ کہ حالت اطاعت میں تم کو موت آئے (یعنی) اگر تم کو موت آئے تو حالت اطاعت ہی میں آئے۔

اس آیت مبارکہ میں مطالبہ ہو رہا ہے کہ مومن کی پوری زندگی خدا کی اطاعت کے تحت ہونی چاہئے، چاہے وہ اپنی زندگی کے کسی گوشے میں کیوں نہ مصروف ہو۔چونکہ موت آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ جس وقت، جس جگہ آتی ہے اپنے شکار کو آدبوچتی ہے پس اگر صاحب تقویٰ اپنی پوری زندگی خدا کی اطاعت میں نہ رہے گا تو اس امر کا اندیشہ ہے کہ ایسے وقت میں اس کو موت دبوچ لے جبکہ وہ خدائی اطاعت سے باہر ہو۔اس لئے لازم ہے کہ ہر صاحب تقویٰ اپنی دنیوی زندگی کے ہر گوشہ میں ہر ہر لمحہ اپنے دامن حیات کو تھامے

ہوئے گزرے۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہنا حکمت کا راز پانے کے برابر ہے۔

اب حکمت کیا ہے تو قرآنی الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

جس کو حکمت دی گئی گویا اس نے خیر کثیر پائی۔ بالفاظ دیگر اس کے معنی ہوئے کہ پرہیزگاری حکمت اور حکمت خیر کثیر ہے۔ خیر کثیر کیا ہے؟ یہ دنیا و آخرت کی سعادت مندی کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ پس ایسی نعمت جس کو نصیب ہو وہ کیسے نفاق کی راہ پر چل کر اپنے اعمال ضائع کر سکتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر اکثر جگہوں میں خیر کثیر یعنی تقویٰ اختیار کرنے کا شدت سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

کہیں تقویٰ کو آفات و بلیات سے نجات پانے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، کہیں فلاح اخروی کا پروانہ، الغرض ایک مسلمان دنیوی ہو یا اخروی، جس قسم کی سعادت مندی و نیک بختی حاصل کرنا چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لباس تقویٰ پہن لے۔ ہمارے اس بیان کی تائید ذیل کے دلائل سے بخوبی ہو سکے گی:

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو ضرور ممتاز کریگا، وہ تمھارے گناہ تم سے دور کر کے تم کو بخش دیگا اور اللہ تو بڑے فضل والا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے اللہ نجات کی کوئی صورت نکال دیتا ہے اور جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے رزق دیتا ہے۔ جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہے گا۔ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو ملک میں خود نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ ہی فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ درحقیقت ایسے پرہیزگاروں کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے شعوب اور قبائل بنائے تا کہ تم ان ذرائع سے پہچانے جا سکو۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہی شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بلاشبہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہے اور باخبر ہے۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ خدا سے ڈرتا ہوتو وہ اپنی پوری مخلوق کواس سے ڈراتا ہے اور جب اس کے قلب سے اللہ کا خوف نکل جاتا ہے تو اپنی پوری مخلوق سے اس کوڈراتا ہے۔

جن کو بہت لوگ نہیں جانتے کہ حلال ہیں یا حرام ہیں پھر جو کوئی ان شبہ کی چیزوں سے بچااس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ سن لو! انسانی بدن میں ایک گوشت کالوتھڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست رہے گا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جائے گا اورسن لووہ انسانی لوتھڑا دل ہے۔

یعنی قلب میں صرف اللہ کی محبت رہے گی تو صحیح سلامت رہے گا ورنہ بگڑ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جوشخص تقویٰ کی راہ پر چلنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشتبہ راہوں پر چلنے سے سخت احتیاط برتے، گناہوں، بے حیائی سے رک جائے، حقوق العباد کی مکمل ادائیگی کرے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، راہ خدا میں خرچ کرے، اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی کلام پاک کے مطابق اور نبی پاک ﷺ کے طریقے پر گزارے۔



''سچ'' میں نجات اور کامیابی

جھوٹ تباہی اور بربادی کا سبب

موجودہ دور میں جو خلفشار، بدامنی، مسائل اور مصائب کا ایک باب کھلا ہوا، بے پناہ مسائل میں آج انسان مبتلا ہے، ایک ان دیکھا خوف اسے سہما ہوا رکھتا ہے، اس کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف ہے۔ انسانی حالت دگرگوں ہوتی جارہی ہے۔ گھر جو کہ سکون کی جگہ ہوتی ہے وہاں بھی سکون ناپید ہوتا جارہا ہے۔ غور کریں یہ سکون تو انسان کے اپنے اندر ہوتا ہے، جب روح میں پاکیزگی ہو، صبر وشکر کی عادت ہو، قناعت ہو، حسد کینے سے دل پاک ہو، تب ہی انسان سکون سے رہ سکتا ہے۔ لیکن افسوس! یہ تمام چیزیں اب عنقا ہوتی جارہی ہیں۔ اس کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کا ڈر، خوف اور اس کے احکام سے انحراف ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اے مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست کردے گا۔ اچھے اعمال کی توفیق دے گا اور تمہارے گناہ معاف کردیگا''۔ (سورۃ الاحزاب)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''سچ بولنے کی اپنے اندر ہمت پیدا کرو کیونکہ سچ نیکی کا رستہ دکھاتا ہے۔ سچ اور نیکی دونوں چیزیں جنت کی ضامن ہیں۔ انسانی اخلاق میں سچائی کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں میں یہ ہمیشہ بنیادی صفت رہی ہے، عام طور سے سچائی سے مراد زبان کی سچائی لی جاتی ہے لیکن اسلام میں زبان کے ساتھ ساتھ دل کی سچائی بھی شامل ہے اور سب سے قابل نفرت عمل کسی کو جھوٹ وفریب دیکر تکلیف میں مبتلا کرنا ہے، ایسا کرنا بدترین جرم ہے جسے قرآن وحدیث میں کفر ونفاق کی علامت بتایا گیا ہے''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں، وہی لوگ جھوٹ بولتے ہیں جو منافقانہ ذہنیت رکھتے ہیں''۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے

تھی۔سچائی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور وہ سارے سچوں اور راست بازوں سے بڑھ کر سچا اور راست باز ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اس سے بڑھ کر سچا کوئی نہیں، اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جو سچ سے زیادہ قریب ہوگا اسے اللہ سے زیادہ تعلق اور قرب حاصل ہوگا، جو سچ سے جتنا زیادہ قریب ہوگا، وہ جھوٹ سے اتنا ہی متنفر اور بے زار ہوگا، جو اللہ سے جتنا دور ہوتا ہے وہ جھوٹ کے قریب ہوتا ہے اور سچ کا اتنا ہی بڑا مخالف۔ جھوٹ ہی ایسا عمل ہے جس کی کوکھ سے نفاق، کفر، شرک، خیانت، غداری اور وعدہ خلافی جیسی تمام برائیاں جنم لیتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور بھاگ جاتا ہے'' (ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے دروغ گوئی کے تمام راستے بند کردیئے، کسی دوستی، ہمدردی یا ذاتی مفاد کے پیش نظر جھوٹ بولنے پر سخت پابندی لگاتے ہوئے رب العالمین نے ہدایت فرمائی: ''انصاف پر سختی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے واسطے گواہی دینے والے رہو''۔ایک موقع پر فرمایا گیا: اور جب بات کہو تو حق کی کہو، اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔''

قرآن کریم میں اس پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ کسی سے تمہاری کیسی ہی دشمنی ہو، جب گواہی دینے کا وقت آئے تو اس کے حق میں بھی تمہارا حق وصداقت اور انصاف کا دامن جھوٹ سے داغ دار نہ ہونے پائے کیونکہ عدل وانصاف وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین وآسمان کا نظام قائم ہے، سچ کو چھپانا حق بات کہنے میں کوتاہی کرنا ہے، سچ پر پردہ ڈالنا اہل حق کا نہیں بلکہ یہودیوں کا شیوہ ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو سچ میں جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات''۔

کچھ لوگ تو اسی وجہ سے خاموش رہتے ہیں کہ سچ بولنے اور حق بات ظاہر کرنے میں دوست کی مخالفت اور دشمن کی حمایت ہوتی ہے، یہ خاموشی خیانت ہے اور بعض لوگ

اپنے آپ کو غیر جانب دار ظاہر کرنے کے لئے خاموشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تاکہ دنیا انہیں شریف اور نیک شمار کرے جب کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ بات اللہ کی نظر میں قابل گرفت ہے۔ایسا کرنا اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف ہے، جھوٹ انسان کے کردار اور سیرت پر برا اثر ڈالتا ہے، اس کا ضمیر جہاں مردہ ہو جاتا ہے وہاں اس کی تمام اخلاقی اور ایمانی قدریں اس سے دور ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے جھوٹ بولنے والوں کو دنیا میں نہ احترام و عزت ملتی ہے اور نہ کبھی آرام اور چین نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا راستہ صاف صاف دکھا دیا ہے، اب یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو انسانیت کا مثالی نمونہ اور اسوۂ حسنہ کا پیکر بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپؐ کی سیرت طیبہ اور سنت مطہرہ آج بھی زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک نظام کائنات قائم رہے گا، جب بھی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے گا وہ روح کو جلا بخشے گی اور قلب کو منور کرے گی کیونکہ آپ ﷺ بلا شبہ ہر لحاظ سے عظیم اور ہر زمان و مکان کے لئے مثالی انسان تھے، ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اسلام امن و سلامتی اور خیر خواہی کا سبق دیتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جھوٹ اور حسد سے بچو کیونکہ جھوٹ اور حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتے ہیں، جیسے آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے''۔

روایت ہے کہ رحمت عالم نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو دوسروں کو نقصان پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا، جو دوسروں پر تنگی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر تنگی کرے گا۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ مختلف انداز و اطوار سے انسانوں کے ایمان پر ڈاکا مارتا ہے، اہل ایمان کو چاہئے کہ ایمان پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہتے ہوئے صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تاکہ شیطان کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ (آمین)



ظلم

حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونا یا دوسرے کی ملکیت میں دخل دینا اور حد سے بڑھنا ظلم کہلاتا ہے۔ معاشرے میں عام طور پر ظلم ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے چاہے اپنی ذات پر ہو یا کسی اور پر۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔

اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہ ماننا اور ان میں حد سے بڑھنا بھی ظلم ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا۔

بغیر کسی وجہ کے کسی کو نقصان پہنچانا ظلم ہے۔ رشوت لینا یا دینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل و غارت گری کرنا، مزدوری پوری نہ دینا یا ضبط کر لینا، نا انصافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، حق تلفی کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، انسانوں کے حقوق ادا نہ کرنا یا ان کے حقوق ان سے چھین لینا، ذہنی اذیت دینا، جھوٹ بولنا، زنا کرنا، بے حیائی، بے پردگی، شراب پینا، جوا کھیلنا، سودی لین دین کرنا، چغل خوری کرنا، فضول خرچی کرنا، تقریبات میں فضول خرچی کرنا، جو اللہ کے احکامات کے خلاف ہو، والدین کی نافرمانی کرنا اور ان کے حقوق ادا نہ کرنا۔ ظلم کی وجہ سے ظالم کے دو نقصان ہوتے ہیں: ایک تو وہ جب ظلم کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوتا ہے اور دوسرے جس کے ساتھ ظلم کرتا ہے اس کے نقصان کی ذمہ داری بھی اس پر آجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ظلم سے صرف منع ہی نہیں فرمایا بلکہ ظالم کی طرف مائل ہونے، محبت رکھنے اور اس کی بات ماننے سے بھی منع فرمایا ہے اور اگر کوئی یہ کرے تو اس کو دوزخ سے ڈرایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: دیکھو! ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی

آگ لگ جائے گی۔مزید یہ بھی فرمایا کہ ظالموں کے ظلم کی سزا صرف ان تک ہی نہیں رہتی بلکہ ظلم کی نحوست ان کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اورتم ایسے وبال سے بچو جو کہ خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جوتم میں ظلم کے مرتکب ہوئے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

ظلم ایسا سنگین گناہ ہے جو معاشرے میں مصیبتوں ، ہلاکتوں اور سختیوں کا سبب بنتا ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

حضرت علیؓ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اللہ کا غضب وغصہ اس شخص پر بہت بڑھ گیا ہے جو ایسے آدمی پر ظلم کرے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پائے۔

ایسے شخص پر ظلم کرنا جس کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہو اور نہ ہی مخلوقات میں اس کی کوئی جائے پناہ ہو جہاں وہ ٹھکانہ حاصل کرے اور مشکل حالات میں وہاں پناہ لے،اس شخص پر ظلم کرنے سے زیادہ برا ہے جو ظلم کو روکنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا قوت وطاقت رکھتا ہو۔

ظلم کا منصوبہ بنانے والا،ظلم کرنے والا،اسکی راہ ہموار کرنے والا،اس کے مشیر، مددگار اور گواہ، یہ سب ظلم میں برابر کے شریک ہیں۔قیامت کے دن جن جن لوگوں کا جس قسم کا نقصان بھی (ظلم) انہوں نے کیا ہے۔وہ ان کو ادا کرنے کے لئے کہا جائے گا۔بصورت عدم ادائیگی ظالم کی نیکیاں مظلوم کے نامہ اعمال میں درج کی جائیں گی اور مظلوم کے گناہ ظالم کے اوپر لا دیئے جائیں گے اور اس کے نامہ اعمال میں درج کئے جائیں گے اور اسی کی روشنی میں اسکی جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔



حقوق العباد میں والدین کے حقوق افضل ترین ہیں

اللہ تعالیٰ نے خالص عقیدہ توحید کے زبانی اقرار اور دل کی گہرائی سے اقرار کرنے اور کلام پاک اور نبی پاک ﷺ کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس کا اس نے سب کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے فوراً بعد والدین کیساتھ اچھا سلوک، ان کی خدمت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔ والدین کی نافرمانی کو شرک کے بعد جرم عظیم قرار دیا ہے جس کی سزا دنیا کی زندگی میں ہلاکت، تباہی و بربادی، تمام عبادات اور نیک اعمال کا ضائع اور تباہ اور برباد ہونا ہے اور مرنے کے بعد آنے والی زندگی میں اس کا ٹھکانہ (رہنے کی جگہ) ہمیشہ کیلئے جہنم ہے جس کی نبی پاک ﷺ نے تصدیق کر دی ہے۔

والدین کی نافرمانی سے مختلف قسم کے نقصانات زندگی میں آتے رہتے ہیں۔ والدین کی نافرمانی، ان کے حکم نہ ماننے اور ان کی خدمت نہ کرنے سے معاشرتی زندگی میں توازن قائم نہیں رہ سکتا ہے، اس سے بہت سے فتنے جنم لیتے ہیں، زندگی میں بگاڑ، فساد اور بہت سے جرائم جنم لیتے رہتے ہیں اور تباہی و بربادی ہوتی رہتی ہے۔ والدین جو کہ اہل وعیال کے نگراں اور سرپرست اعلیٰ ہوتے ہیں، ان کو پیچھے دھکیلنے سے بڑے بڑے نقصان ہوتے ہیں جو لوگوں کے وہم و گماں میں نہیں ہوتے۔ اس نافرمانی کا انجام جلد یا بدیر تباہی اور بربادی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی خلاف ورزی، سرکشی اور بغاوت ہے۔

والدین کی فرماں برداری، ان کا حکم ماننا، ان سے نرم دھیمی آواز میں بات کرنا، ان سے اچھا سلوک کرنا، ان کی خیریت دریافت کرنا، ان کی اخلاقی طور پر مدد کرنا، ان کو کھانا کھلانا، ان کے کپڑے کا خیال کرنا، غریب، اوسط درجہ، خوشحال اور دولت مند جو کہ آسائش کی زندگی گزار رہا ہو، ان تمام لوگوں پر والدین کی اطاعت ان کی حیثیت کے مطابق فرض ہے۔ یہ کسی طریقے یا بہانہ بنا کر والدین کی اطاعت اور فرماں برداری سے جان نہیں چھڑا سکتے۔ والدین ایک عظیم ہستی ہیں، ان کے گھر میں آنے سے بہت سے نقصانات ٹل جاتے

ہیں، ان کے قدم گھر میں آنا اللہ کی رحمت ہے، رزق میں برکت اور بہت سے فائدے ہیں، والدین کی خوشی میں اللہ کی خوشی اور ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔

اس کے خلاف والدین کی نافرمانی کرنا، ان کا حکم نہ ماننا، ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنا، گھر میں نہ رکھنا، ان کو تکلیف پہنچانا، جب وہ بے سہارا ہوں تو ان کی فکر نہ کرنا، جانی اور مالی طریقے سے ان کی مدد نہ کرنا، ان کے اپنے گھر میں آنے پر پابندی عائد کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ والدین کی نافرمانی اولاد براہ راست خود کرے یا دوسرا شخص اس کو مجبور کرے یا کوئی دوسرے لوگ اس گھناؤنے جرم میں شامل ہو کر اولاد کو نافرمانی پر مجبور کریں، اس معاشرتی مسئلے کو الجھا دیتے ہیں اور اس کو پیچیدہ کر دیتے ہیں اور اس نافرمانی کی تمام کوششوں کو روکنے کے دروازے بھی بند کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی ذات سے غافل اور بے خوف ہوتے ہیں۔

دنیا ایک عارضی جگہ ہے، لوگ اس کی چمک ودمک، کشش دیکھ کر سب کچھ اس کو سمجھ لیتے ہیں، آخرت کو بھول گئے ہیں جہاں ان کو ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ بھی بھول گئے ہیں کہ موت جو کہ کسی وقت بھی آسکتی ہے وہ آکر اس دنیا کی رنگینیوں کو ختم کر دے گی۔ دنیا کی زندگی کو ترجیح نہ دیں کیونکہ یہ عارضی ہے اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

والدین ایک سرمایہ ہیں، ان کی قدر کریں۔ توبہ کا دروازہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہر وقت کھلا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو والدین کے سامنے سچی توبہ کے لئے پیش کر دیں، ان کے سامنے اپنا سر جھکا دیں اور اپنی غلطیوں کا اقرار کریں۔ یہ آپ کے لئے بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے آپ کی دنیاوی زندگی بھی بہتر اور پرسکون ہوگی۔

والدین تو زندگی کے آخری مرحلے سے گزر رہے ہوتے ہیں، وہ آپ کی معذرت قبول کرلیں گے کیونکہ مسئلہ حقوق والدین کا ہے، یہ ان کی زندگی میں ان کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بھی آپ کی توبہ قبول کرلیں گے۔

عقیدۂ توحید

اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ توحید کے زبانی اور دل کی گہرائی سے اقرار کرنے اور کلام پاک اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس کا سب سے پہلے حکم دیا ہے، یہ دین فطرت ہے اور اس طریقہ پر زندگی گزارنا کامیابی اور اس کے خلاف زندگی گزارنا دنیا اور آخرت دونوں کی ناکامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو پیدا کیا ہے تاکہ تمہاری آزمائش کی جاسکے اور تم کو اپنے عمل میں بااختیار بنایا ہے، تم سے پوچھ گچھ کی جاسکے۔

توبہ کا دروازہ عالم سکرات سے پہلے پہلے کھلا ہے

عالم سکرات شروع ہوتے ہی موت کا فرشتہ نظر آنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ قبر میں اس کے اچھے اعمال کے مطابق یا تو اس کو سہولتیں دے دی جاتی ہیں ورنہ اس کے برے اعمال کے مطابق عذاب قبر شروع ہو جاتا ہے جو کہ برحق ہے، جس کی نبی پاک ﷺ نے تصدیق کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے کی ترغیب اور برائی سے روکنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت، بندگی اس طریقے سے کریں کہ پورے کے پورے دین میں داخل ہو جائیں۔ تمام بے حیائی کی باتوں اور گناہوں سے رک جائیں اور مکمل راہ راست اختیار کریں۔ تمام نیک کام کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی والا راستہ ہے۔ اللہ کے خوف سے تمام گناہ چھوڑ دیں۔ اسی طریقے سے معاشرتی زندگی میں انسانوں کے مکمل حقوق ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر زمانے میں اپنے رسولوں کو اس دنیا میں لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بھیجا ہے اور ان کو نیکی اور بدی کے دونوں نمایاں راستے دکھائے۔ جن لوگوں نے رسولوں کی بات نہیں مانی اور نافرمانی اور سرکشی کی ان کو ہم نے سختی سے پکڑا،

ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہم نے پچھلی بہت سی قوموں پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے اور مسلط کئے اور ان کی بستیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا تا کہ آنے والے لوگ ان سے سبق حاصل کریں۔ثمود اور عاد نے اچانک ٹوٹ پڑنے والی آفت کو جھٹلایا، ثمود ایک سخت حادثہ میں ہلاک کیا گیا اور عاد ایک شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیا گیا۔

اللہ نے اس کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط کئے رکھا۔تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ وہاں اس طرح پچھڑے پڑے ہیں جس طرح کھجوروں کے کھوکھلے بوسیدہ تنے پڑے ہوتے ہیں۔کیا ان میں سے کوئی شخص باقی نظر آتا ہے اور اسی خطاء عظیم کا ارتکاب فرعون اور اس سے پہلے لوگوں اور تل پٹ ہو جانے والی بستیوں نے کیا۔ان سب نے اپنے رب کے رسولوں کی بات نہ مانی تو اس لئے اللہ نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا۔فرعون کو ہم نے پانی میں غرق کر کے اس کی لاش کو عبرت کے لئے محفوظ کر دیا تا کہ آنے والے لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ سرکشوں کا انجام کیسا بھیانک ہوتا ہے۔اس سے پہلے کے لوگوں نے بھی ایسی ہی بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں جن کی بستیوں کو ہم نے تل پٹ کر دیا اور صفحۂ ہستی سے مٹادیا تا کہ لوگ نافرمانی کرنے والے لوگوں کے انجام سے سبق حاصل کریں۔نوح نے کہا: میرے رب ان لوگوں نے میری بات رد کر دی اور ان ہستیوں کی پیروی کی جو مال اور اولاد پا کے زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔

ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال بچھا رکھا ہے۔ان خطاؤں کی بنا پر وہ غرق کئے گئے اور آگ میں جھونک دیئے گئے۔ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔جب پانی کا طوفان حد سے گزر گیا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر دیا تھا تا کہ اس واقعہ کو تمہارے لئے سبق آموز یادگار بنا دیں اور یاد کرنے والے کان اس کی یاد کو محفوظ رکھیں۔آئندہ آنے والے لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ چھوٹے بڑے تمام اعلانیہ اور غیر اعلانیہ گناہوں سے رک جائیں اور ان تمام کو چھوڑ کر اللہ کی فرماں برداری والا راستہ اختیار کریں۔

بے حیائی، بے پردگی ایک اعلانیہ گناہ ہے۔TV، آلات موسیقی، جن سے لذت نفس

کے لئے گانا سننا، بے حیائی کے نازیبا مناظر دیکھنا، اعلانیہ گناہ ہیں اور اس کا رخ کبیرہ گناہ کی طرف ہے، اسکو چھوڑ دیں۔ ان بڑے بڑے گناہوں پر عذاب کی وعیدیں ہیں۔ جب آلات موسیقی کا رواج عام ہو جائے گا اس وقت اللہ کی طرف سے عذاب کا انتظار کریں۔ لوگ زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، زمین میں ہلچل ہوگی، زمین ہلے گی اور اس کے پھٹنے سے لوگ اس میں دھنسا دیئے جائیں گے۔ آسمانوں سے لوگوں پر پتھروں کی بارش کی جائیگی، لوگوں کی شکلوں کو مسخ کر دیا جائے گا، شدید آندھی اور طوفانی بارشیں اور پانی کے طوفان کا عذاب بھی اور لوگوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے نیست و نابود اور بستیوں کو تل پٹ کر دیا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس دنیا میں حد سے زیادہ بڑھ جائے گی اور لوگ بڑے بڑے گناہ کھلے عام کریں گے۔ بے حیائی، بے پردگی، زنا عام ہو جائے گا اور آلات موسیقی عام ہو جائیں گے۔ TV میں بے حیائی اور فحاشی کے مناظر دیکھ کر لوگ اس سے لطف اندوز ہوں گے، بے پردہ عورتیں بے حیائی کے ساتھ اپنے جسموں کی نامحرم لوگوں کے سامنے نمائش کریں گی، خود بھی لطف اندوز ہوں گی اور لوگوں کو بھی لطف اندوز کریں گی، ظلم، ناانصافی، سود، رشوت، جوا، جھوٹ اور تکبر بڑھ جائے گا۔ ظالم، متکبر دولت مند لوگ غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں پر ظلم کریں گے۔

حلال اور حرام کی تمیز نہیں رہے گی اور لوگ حرام کھانا فخر سمجھیں گے۔ امانت میں خیانت کی جائے گی، انسانوں کے حقوق لوگ ان سے چھین لیں گے، دنیاوی خواہشات کی لوگ پیروی کریں گے، والدین کی نافرمانی کریں گے، بیویوں کی اطاعت اور غلامی کریں گے، ظلم، ناانصافی حد سے زیادہ بڑھ جائیگی، اس وقت اللہ تعالیٰ اس دنیا کو ختم کرنے کا فیصلہ کریں گے جو کہ انسان کے امتحان کے لئے بنائی گئی تھی تاکہ اچھے اور برے اعمال کی جانچ پڑتال کریں۔ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے، اس خوفناک آواز سے پوری کائنات لرز اٹھے گی، آسمان کی بندش ڈھیلی کر دی جائے گی اور اس کو لپیٹ دیا جائے گا، آسمان پھٹ جائے گا، سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، پہاڑ چلائے جائیں گے اور

ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے، زمین کو چوٹ مار کر ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیا جائے گا، کوئی جاندار، انسان اور جانور اس روئے زمین پر زندہ باقی نہیں بچے گا، پوری کائنات کا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا اور کوئی چیز بھی باقی نہیں رہیگی، صرف مالک کائنات کی ذات باقی رہے گی۔

۴۰ سال بعد اللہ تعالیٰ اس دنیا کو دوبارہ قائم کریں گے، دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر پریشان حال بھاگیں گے۔ نبی پاک ﷺ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کا حساب کتاب شروع کرنے کی سفارش کریں گے جس کو اللہ تعالیٰ منظور فرمائیں گے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو زمین پر اتاریں گے، اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم کی جائے گی، فرشتے لوگوں کو گھیر لیں گے اور ان کی صفیں ان کے اعمال کے حساب سے لگائیں گے۔ مالک کائنات کے سامنے ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائیگی۔ انسان کے تمام اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے اور زمین کو بھی اجازت دی جائے گی کہ وہ بھی انسان کے اعمال کے متعلق مکمل دلائل پیش کرے، مکمل دلائل اور ثبوت کے بعد اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوش قسمت اور کامیاب ہوگا اور اس کو اس کے مرتبے و مقام کے حساب سے جنت میں جگہ دی جائیگی، وہ عیش میں عالی مقام جنت میں ہوگا، جس کے ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے نامۂ اعمال دیا جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور اس کا فیصلہ جہنم کی طرف بھیجنے کا ہوگا، اس کے گلے میں فرشتے فوری طور پر طوق ڈال دیں گے، اس کے ہاتھوں اور پیروں میں ۷۰ ہاتھ لمبی زنجیریں پہنا کہ اس میں اس کو جکڑ دیں گے اور اس کو جہنم کی طرف ہانکیں گے، جہنم میں لوگ پھینکے جائیں گے تو لوگ اس کے دھاڑنے کی خوفناک آوازیں سنیں گے جو جوش مار رہی ہوگی اور شدت عذاب سے پھٹی جا رہی ہوگی۔



اخلاص والا دین

جو بھی کام کیا جائے صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کیا جائے، ریا کاری، دکھاوا نہ ہو۔ بائیسویں پارہ، دوسرے رکوع کی یہ آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے ایمان والی عورتوں اور مردوں کے ساتھ دس شرائط پر پورا اترنے پر انکی مغفرت اور بہت بڑا اجر ملنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

(1) اسلام سے سچی محبت ہونی چاہئے۔ جس سے جتنی محبت ہوگی اس کا انجام اسی کے ساتھ ہوگا۔ جسکی پیروی زندگی میں لباس، رہن سہن میں کریں گے انجام اسی کے ساتھ ہوگا۔

(2) ایمان:۔ ایمان کہتے ہیں نبی علیہ سلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو شریعت لائے اسکا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اسکی تصدیق کرنا، بن دیکھے سودا۔

(3) فرمانبرداری:۔ بات کو مان لینا۔

(4) صداقت:۔ سچ بولنا، سچ میں عزت ہے، سچ میں اللہ کی رضا ہے۔

(5) صبر:۔ صبر پر بے حساب اجر اور صبر روشنی ہے۔

(6) خشوع:۔ اللہ کی ناراضگی سے ڈر کر گناہوں کو چھوڑ دینا، آنکھیں نیچی کر کے عاجزی سے جھکے رہنا۔ نماز کا خشوع:۔ اللہ کی طرف مکمل توجہ کرنا، اپنی توجہ کو ہر چیز سے ہٹا کر اللہ کی طرف اسکا رخ کرنا، اپنے تمام اعضاء کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا۔

(7) مال کا صدقہ:۔ مال جو تمہیں محبوب ہے اسے راہِ خدا میں خرچ کرنا، ذکر کرنا، نماز اشراق اور چاشت بھی صدقہ ہے۔

(8) روزہ:۔ ایسے لوگ جو اپنے آپ کو کھانے پینے سے، جماع سے بھی روکتے ہیں اور اپنے اعضاء کو گناہوں سے بھی روکتے ہیں اور اپنے دل کو غفلت سے بھی روکتے ہیں وہ پورا دن ایسے گزارتے ہیں کہ ان کو اللہ رب العزت سے ایک لمحہ کے لئے بھی

غفلت نہیں ہوتی، یہ کامل روزہ ہے۔

(9) حیاء، پاک دامنی:۔ اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد، اللہ رب العزت نے دین اسلام کو حیاء، پاک دامنی کا دین بنایا ہے اسی لئے نبی پاک حضرت محمد صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسَلم نے ارشاد فرمایا: ''حیاء عورت کی فطرت ہے''

بدنظری:۔ بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے اس لئے قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ''تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مطلب یہ کہ وہ چیزیں جو زنا کی محرک بن سکتی ہیں تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مثال کے طور پر بدنظری زنا کے لئے محرک بنتی ہے۔ بدنظری جس طرح مردوں کو منع ہے کہ وہ غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھیں اسی طرح عورتوں کو بھی منع کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ایمان والوں کو کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور ایمان والی عورتوں کو بھی کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ یہ ان کے لئے بھی بہتر ہے، مردوں کے لئے بھی بہتر ہے کیونکہ شیطان کہتا ہے کہ عورت میرے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جب وہ غیر محرم مرد کے سامنے بے پردگی کرتی ہے تو میں غیر محرم مرد کو امید دلاتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ گناہ میں ملوث ہوسکتا ہے۔

(10) اللہ کا ذکر:۔ بائیسویں پارہ، دوسرے رکوع کی یہ آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے ایمان والے مرد اور عورتوں کے ساتھ دس شرائط کے اوپر ان کی مغفرت اور بہت بڑا اجر ملنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں سے دسویں شرط ہے کہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ حدیث پاک کے مطابق قلبی ذکر کو لسانی ذکر پر ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے تو کوشش یہ کرنی چاہئے کہ ہر وقت اللہ رب العزت کی یاد رہے، ہاتھ کام کاج میں مشغول ہوں اور دل اللہ کی یاد میں مشغول ہوں۔

نسب پر تکبر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسلَّم کا ارشاد ہے کہ ''لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے باپ دادا کے نام پر تکبر، فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ ان کو خدا نجاست کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل کر دے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اس کے علاوہ اور بھی تکبر کی مختلف اقسام ہیں مثلاً علم پر تکبر، مال و دولت پر تکبر، اولاد پر تکبر، اقتدار پر تکبر، حسن وصحت پر تکبر وغیرہ وغیرہ۔

قوم عاد نے زمین میں ناجائز تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا تھا کہ اللہ نے انہیں بنایا ہے، وہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ پس ہم نے ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی آندھی چلائی تاکہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل کرنے والے عذاب کا مزہ چکھ لیں اور آخرت کا عذاب تو ذلت آمیز ہے۔

بدعات اور صراط مستقیم

آنحضرت صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسلَّم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسند و ناپسند کا جو آئین دیا اس کا نام دین وشریعت ہے جس کی تکمیل کا اعلان آپؐ کے وصال سے تین مہینے پہلے میدان عرفات میں کر دیا گیا۔ اب نہ دین میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ اضافہ کی کوئی گنجائش ہے۔ آنحضرت صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسلَّم نے جو طریقہ اپنایا وہ سنت ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے۔ جن لوگوں نے آنحضرت صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسلَّم کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت کے دن آپؐ کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔

شریعت نے آنحضرت صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسلَّم، بزرگان دین اور عام مسلمانوں کے لئے ایصال کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ آدمی جب چاہے ایصال ثواب کر سکتا ہے لہٰذا اس کے لئے خاص خاص اوقات اور خاص خاص سورتیں تجویز کر لینا اور ان ہی کی پابندی کو

ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔ بقول امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ، جس چیز کیلئے صاحب شریعت نے اس کی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں فرمایا وہ فعل عبث ہے اور آپؐ کی سنت کے مخالف اور جو چیز مخالف سنت ہو وہ حرام ہے، ہرگز روا نہ ہوگی۔ اگر کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر جس دن بھی چاہے خیرات کر دے تا کہ نمود و نمائش نہ ہو۔

پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اسی لئے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرمایا دیا ہے۔ اہلِ بدعت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گرد و غبار ڈالنے کی کوشش کریں، علماء ربانیین کی ایک جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دے یعنی اس دور کے علماء پر یہ ذمہ داری ڈال دی ہے کہ جب بھی کوئی دین میں کمی بیشی کرے وہ اس کی وضاحت اور تشریح کریں تا کہ دین اپنی اصلی حالت میں قائم رہے۔



اللہ کے احکامات

اگر اللہ کے احکامات کو نظر انداز کر کے ان سے منہ پھیرا گیا تو انہیں اپنے سے پہلے گزری ہوئی نافرمان قوموں کے عبرت ناک انجام کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کی اصلاح کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تو انہوں نے انکی اطاعت کے بجائے ان کو جھٹلایا، انکی نافرمانی کی اور اللہ کے احکامات کی پرواہ نہیں کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انکی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ان قوموں کو اس طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا کہ ان کی زندگیاں، ان کا بنایا ہوا معاشرہ، تہذیب وتمدن اور بلند وبالا عمارتیں کھنڈر بن گئیں، یہ تو ان پر دنیا کے اعتبار سے عذاب تھا، آخرت میں ان کا کتنا بھیانک انجام ہے، اسکا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

(حدیث) پیروی نفس کا زمانہ

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب دیکھو کہ بخل عام ہو گیا ہے اور خواہش نفس کی پیروی کی جارہی ہے، دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر خوش ہے تو پھر اپنی اصلاح کی فکر کرو اور لوگوں کے معاملات میں نہ پڑو، پس دین پر استقامت کے مشکل ترین ایام ہوں گے۔ دین پر عمل کرنا ہاتھ میں آگ کا انگارہ لینے کے مترادف ہوگا (جامع ترمذی)۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت

دین متین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، قرآن مجید اور اس کی حقیقی تشریح یعنی سنت سید الانبیاء خاتم المعصومین ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک باقی رکھنے کا سامان کر دیا اس لئے اسباب کی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو سامان کیا اس کو رسول رحمت ﷺ نے یوں بیان فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاء شریعت کی وضاحت وتشریح کا فریضہ سرانجام دیتے تھے اور یہ ذمہ داری

امت مسلمہ کے پر ڈالی گئی ہے چنانچہ آپ ﷺ کی وفات سے لیکر آج تک ہر دور کے علماء نے شریعت مطہرہ کی وضاحت اور حفاظت کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گناہوں پر جسارت کرنے والے، ڈٹے رہنے والوں کے علاوہ میری امت میں سب کے لئے معافی ہے، کوئی شخص گناہ تنہائی میں کرے تو اس کی قباحت کم ہوتی ہے، بہ نسبت اسکے کہ اعلانیہ مجمع عام میں کیا جائے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: میری پوری امت کو معاف کیا جاسکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی اعلانیہ بغاوت کرنے والوں کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اب شادی کے موقع پر جو گناہ عمومی اور اعلانیہ انجام دیئے جاتے ہیں، یہ بہت ہی خطرناک بات اور دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب ہے۔ یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کا عذاب فوراً نہیں آتا، اللہ تعالیٰ کچھ مہلت دیتے ہیں تا کہ بندہ اپنے گناہوں سے توبہ تائب ہو جائے۔ جب بندہ حد سے گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت حرکت میں آتی ہے اور عذاب میں گرفتار کرلیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: جو شخص میرے احکام سے اعراض کرے گا، میں اس کی زندگی تنگ کردوں گا، اس کو نہ دنیا میں سکون نصیب ہوگا اور نہ آخرت میں۔

اللہ کے دین کو بدلنے پر آبِ کوثر سے دور رکھے جائیں گے یا ہٹا دئے جائیں گے۔

صحیح بخاری کے حاشیہ میں علامہ قسطلانیؒ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ:

وہ تمام لوگ جو دین سے پھر گئے یا انہوں نے دین میں ایسی بات ایجاد کی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی اور جس کی اجازت نہیں تھی، یہ لوگ حوضِ کوثر سے ہٹا دیئے جائینگے اور دور رکھے جائینگے، ان میں سرفہرست وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی جماعت کے خلاف رہے، جیسے خارجیوں، رافضیوں اور معتزلیوں کے تمام فرقے کیونکہ یہ سب لوگ دین کو بدلنے والے ہیں۔ اسی طرح وہ ظالم و مسرِف جو جور و ستم کے مرتکب تھے، حق کو مٹاتے اور اہل حق کو قتل کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ نیز جو لوگ کبیرہ گناہوں کا اعلانیہ ارتکاب کرتے اور گناہوں کو ہلکی چیز سمجھتے تھے، یہ لوگ بھی حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے: محشر عرش کی گہرائیوں سے ایک ندا دینے والا آواز دیگا: اے محشر والو! اپنے سروں کو جھکالو اور اپنی نگاہیں نیچی کرلو، فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ پل صرط سے گزر جائیں۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گزر جائیں گی اور آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حور عین میں سے چمکتی بجلیوں کی طرح ستر ہزار خاد مائیں ہوں گی۔

تمام کتب اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد کسی نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ کی رحلت کے 6 ماہ بعد ہی 3 رمضان المبارک 11 ہجری کو 29 سال کی عمر میں عازمِ فردوس بریں ہوئیں۔ وفات سے پہلے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عیس رضی اللہ عنہٗ کو بلا کر وصیت فرمائی: میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہر رضی اللہ عنہ کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا، تدفین کے وقت زیادہ ہجوم نہ ہونے دینا۔

جنازہ میں بہت کم لوگوں کو شرکت کا موقع ملا کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات رات کے وقت ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے وصیت کے مطابق عمل کیا۔ رات ہی کو دفن کیا۔ نماز جنازہ حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ نے پڑھائی اور عقیل کے الگ گوشے میں مدفون ہوئیں۔ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چھ اولادیں ہوئیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ، حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حوت محسن رضی اللہ عنہ۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حوت محسن رضی اللہ تعالیٰ نے بچپن میں انتقال کیا۔

حضور ﷺ کی نسل سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے باقی ہے۔

سات عظیم نیکیاں

۱...... ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

۲...... ہر کام سے فارغ ہو کر الحمد للہ کہنا

۳...... فضول کام یا گناہ کے بعد استغفر اللہ کہنا

۴...... آئندہ کے لئے کوئی بات کہے تو اس کے ساتھ انشاء اللہ کہنا

۵...... کسی ناگوار بات پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا

۶...... کسی کی موت یا تکلیف کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ پڑھنا

۷...... ہر وقت کلمہ طیبہ کا ورد رکھنا، دل وزبان سے اللہ کا ذکر کرنا

شیطان کی چوبیس بانگیں

۱...... رقص وسرور، گانے بجانے کی بانگ

۲...... حسن پرستی اور حسن طلبی کی بانگ

۳...... ہوائے انا مستی کی بانگ

۴...... شراب نوشی، خمر ومدہوشی (نشہ لانے والی اشیاء) کی بانگ

۵...... بدعت اور اختراعات ابلیسی کی بانگ

۶...... ترک نماز کی بانگ

۷...... آلات موسیقی، آلات رقص وسرور (طنبورہ، رباب، دَف وڈھول کے فروغ کی بانگ

۸...... تَرک جماعت کی بانگ

۹...... غفلت، بے پرواہی کی بانگ

۱۰...... عجب (خود پسندی) کی بانگ

۱۱...... حرص ولالچ کی بانگ

۱۲...... حسد یعنی جلن یا دوسرے کی نعمت پر زوال کی طلب کی بانگ

۱۳...... ریاکاری یعنی دورنگی یا ظاہرداری کی بانگ

۱۴...... کینہ یعنی دل میں دشمنی رکھنے اور موقع ملنے پر بدلہ لینے کی بانگ

۱۵...... کبر وہنکار، غرور، تکبر، رعونت اور بڑائی کی بانگ

۱۶...... نفاق، عداوت، پھوٹ، بگاڑ اور نااتفاقی کی بانگ

۱۷...... غیبت، پوشیدگی میں برائی اور غیر حاضری میں بدخواہی کی بانگ

۱۸...... شرک، کسی کو اللہ کا شریک بنانے کی بانگ

۱۹...... کفر یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار اور سرکشی کی بانگ

۲۰...... جہالت، گمراہی، لاعلمی اور اس پر اقرار کی بانگ

۲۱...... جھوٹ یا کذب کی بانگ

۲۲...... بدظنی، بدگمانی، شک وشبہ اور بے یقینی کی بانگ

۲۳...... نظر یا بدنظری کی بانگ

۲۴...... طمع کی بانگ

موت

وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو (شخص) ابھی نہیں مرا ہے اسکی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔ (سورۃ الزمر: آیت 42)

وہی ہے جو رات کو تمھاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر دوسرے روز تمھیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تا کہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے۔ پھر وہ تمھیں بتا دیگا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انجام دیتے ہیں ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر سب کے سب اللہ اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ فیصلے کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

(سورۃ انعام 6 آیت 61 ,60)

ذکراوراس کے انسانی زندگی پراثرات

اللہ تعالیٰ کا دین بہت قیمتی ہے ''علم'' دین پر چلنے کا راستہ بتاتا ہے اور ذکر روشنی ہے ،راستہ دکھاتا ہے ''ذکر'' کرنے سے دل کا زنگ اور گناہوں کی نحوست جو دل پر چڑھ جاتی وہ زائل ہوجاتی ہے، دل صاف، شفاف ہوجاتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا نور پیدا ہوتا ہے۔ دل نرم ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

تم میں سے سب سے بہتر انسان وہ ہے جو کلام پاک سیکھے اور سیکھائے ،کلام پاک پڑھے، سمجھے اور اس پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو زبان، قلم کے ذریعہ پھیلائے، اس پر اپنی جان اور مال لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، دین کی وضاحت اور تشریح کی ذمہ داری امت کے مسلمان علماء پر ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو صحیح حالت پر قائم رکھنے کی کوشش کرے اس کو تبدیل نہ ہونے دے، پورے دین پر عمل کرے۔ بنی اسرائیل کی قوم نے دین کے کچھ حصے پر عمل کیا اور کچھ حصے پر عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی پکڑ کی۔ ہم کو اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

کلمہ توحید کو کائنات میں سب سے افضل ترین مقام حاصل ہے۔ کلمہ توحید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا اعلان کیا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغمبر اور رسول ہونے کی گواہی موجود ہے۔ یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ وہ تنہا اسکا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا ہے اور یہ آخری کتاب ہدایت ہے۔ آپ کا پیش کردہ تاریخ ساز خطبہ حجتہ الوداع انسانی حقوق کا عالمی منشور ہے جو انسانی فلاح کا ضامن بن سکتا ہے۔ یہاں دین کو مکمل کردیا گیا ہے۔ اس کے بعد اپنی مرضی سے اس میں کمی، زیادتی بدعت جو کہ گمراہی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ہمیں دنیوی آفات و مشکلات سے نجات دلاسکتی ہے۔ آپؐ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے آخری رسول، پیغمبر و رحمتہ اللعالمین ہیں۔ آپؐ کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے میں جسمانی و

روحانی فوائد کے علاوہ نفسیاتی شفا بخشی کی تاثیر موجود ہے۔آپ کی ذات اقدس پر غیر متزلزل ایمان، یقین اسلام، دین کی بنیادی اساس ہے۔

1: کلمہ توحید کا ذکر پوری کائنات میں سب سے افضل ہے۔

2: سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم 100 مرتبہ پڑھنے سے نیکیاں 10 گنا کل نیکیاں 1000

3: ہر نماز کے بعد سبحان اللہ 10 بار الحمد للہ 10 بار اللہ اکبر 10 بار، پانچ نمازوں میں 150 مرتبہ 10 گنا نیکیاں 1500

4: رات کو سوتے وقت سبحان اللہ 33 بار، الحمد للہ 33 بار، اللہ اکبر 34 بار 100 مرتبہ 10 گنا نیکیاں کل 1000 نیکیاں، ٹوٹل نیکیاں 3500

ذکر کرنے سے انسان کے دل کو سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جنت میں اس کے مکان کی تعمیر شروع ہو جاتی ہے۔ذکر نہ کرنے کی صورت مین مکان کی تعمیر رک جاتی ہے اور برابر کرنے سے مکان کی تعمیر جاری رہتی ہے۔کم وقت میں 3500 نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں داخل ہونا بہت سعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اس کے ساتھ ہمیں گناہوں سے بھی رکنا چاہیے، کہیں نیکیاں کم یا ضائع نہ ہو جائیں۔مثال کے طور پر بیماری کی حالت میں ہم پرہیز بھی کریں اور زہر بھی کھائیں تو اسکا فائدہ نہیں ہوگا۔

نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا اسلامی تعلیمات کا بنیادی جز ہے لیکن اسلام کا مقصد صرف فرد واحد کو صالح اور متقی بنانا نہیں بلکہ پورے معاشرے اور پوری نسل انسانی کو راہ راست پر لانا ہے تا کہ نیک صالح پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاسکے جسمیں معاشرے کی پرامن بقاء کی ضمانت موجود ہے۔



زندگی کی کتاب

انسان کی ہر آنے والی صبح زندگی کی اس کتاب کا نیا ورق الٹ دیتی ہے اور یہ الٹے ہوئے ورق برابر بڑھ رہے ہیں اور باقی ماندہ ورق برابر کم ہو رہے ہیں۔ایک دن وہ ہوگا جب انسان اپنی زندگی کا آخری ورق الٹ رہا ہوگا۔جوں ہی اس کی آنکھیں بند ہوں گی اس کی یہ کتاب بھی بند ہوجائے گی اور اسے محفوظ کر دیا جائے گا۔کبھی انسان نے یہ غور کیا کہ وہ اپنی اس کتاب میں کیا درج کر رہا ہے؟

کل یعنی قیامت میں یہی کتاب اس کے ہاتھ میں دے دی جائیگی اور اللہ تعالیٰ انسان سے کہے گا پڑھ اپنا نامہ اعمال اور آج اپنا حساب لگانے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

عقلمند و کامیاب انسان وہی ہے جو اپنی زندگی کی اس کتاب کو نیک اعمال بجالاتے ہوئے اور گناہوں سے بچتے ہوئے پایہ تکمیل تک پہنچادے تا کہ قیامت میں اسے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔



فضائل نماز

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں پھر میں ان کے پاس جاؤں جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔ نبی اکرم ﷺ کو باوجود اس شفقت اور رحمت کے جوامت کے حال پر تھی اور کسی شخص کی ادنیٰ سی تکلیف بھی گوارا نہ تھی لیکن ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اس قدر غصہ ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دینے کو بھی آمادہ ہیں۔(فضائل نماز صفحہ 330)

حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز قضا کر دے، گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسّی (80) برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا، اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کڑور اٹھاسی لاکھ برس ہوتی ہے، اتنے برس آگ میں جلنا ہوگا اور اس کے بعد نکلنا ہوگا (فضائل نماز: صفحہ 337)۔

حدیث شریف میں آیا ہے: جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہوں وہ مسجد کے کھونٹے ہیں، فرشتے ان کے ہم نشیں ہوتے ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں اور وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے ان کی اعانت کرتے ہیں۔

مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کا ثواب پچیس درجہ اَلْمُضاعَف ہوتا ہے جس کا ترجمہ دو چند اور دو گنا ہوتا ہے یعنی یہ کہ تین کڑور پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس 3,35,54,432 درجہ ہوا۔



ملکہ زبیدہ کی بخشش

زبیدہ خاتون ایک نیک ملکہ تھی،اس نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا۔اپنی وفات کے بعد وہ کسی کو خواب میں نظر آئی،انہوں نے پوچھا کہ زبیدہ! آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ زبیدہ نے جواب دیا کہ اللہ رب العزت نے بخشش فرمادی۔خواب دیکھنے والے نے کہا: آپ نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا،آپ کی بخشش تو ہونی ہی تھی۔زبیدہ خاتون نے کہا: نہیں نہیں! جب نہر زبیدہ والا عمل پیش ہوا تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ کام تو تم نے خزانے کے پیسوں سے کروایا،اگر خزانہ نہ ہوتا تو نہر بھی نہ بنتی۔مجھے بتاؤ تم نے میرے لئے کیا عمل کیا؟ زبیدہ نے کہا کہ میں تو گھبرا گئی کہ اب کیا بنے گا مگر اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمائی،مجھ سے کہا گیا: تمھارا ایک عمل ہمیں پسند آ گیا،ایک مرتبہ تم بھوک کی حالت میں دستر خوان پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں کہ اتنے میں اذان کی آواز سنائی دی۔تمھارے ہاتھ میں لقمہ تھا اور سر سے دوپٹہ سرکا ہوا تھا،تم نے لقمے کو واپس رکھا،پہلے دوپٹے کو ٹھیک کیا پھر لقمہ کھایا۔تم نے لقمہ کھانے میں تاخیر میرے نام کے ادب کی وجہ سے کی اس لئے ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔

ملکہ زبیدہ نے دنیا کی ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ترجیح نہیں دی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سر بلند کرنے کے لئے انہوں نے اس پر عمل کیا۔آج کل ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات ،نبی ﷺ کے طریقوں اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی خلاف ورزی کھلے عام کر رہے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قیمتی احکامات اور نبی ﷺ کے مبارک طریقوں کو اجاگر کریں اور اپنے سینے سے لگائیں اور ان کو ٹوٹتا ہوا دیکھ کر اس پر افسوس،تکلیف،دل میں چبھن اور لرزا طاری ہو۔



اصلاحِ معاشرہ: ایک دینی اور ملی فریضہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' معاشرے پر لازم ہے

معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرد اپنے فرائض اور ذمے داریوں کو سمجھے اور ان پر عمل پیرا ہو

مسلم معاشرے سے برائیوں کو ختم کرنا عظیم ''جہاد'' ہے۔ اس عظیم فریضے کی ادائیگی کے لیے قرآن وسنت میں اہل ایمان کو تاکید فرمائی گئی ہے چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے ''بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو''۔ (سورۂ لقمان)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی رفیق ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ (سورۃ التوبہ)

ان احکام سے معلوم ہوا کہ بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے لوگوں کو باز رکھنا، مسلمان کی کبھی نہ غائب ہونے والی صفت ہے۔ یہ ایمان کی فطرت اور اسلام کا خاصّہ ہے۔

اسی طرح اسلامی ریاست، ان کے اہل کاروں اور خدمت گزاروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخش دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے''۔ (سورۃ الحج)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان جس طرح اپنی انفرادی حیثیت میں برائی کو پنپتے دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا، اسی طرح صاحبِ اقتدار ہوکر بھی وہ یہی کرے گا۔ منکرات کو مٹانا، اس کے اقتدار کے بنیادی مقاصد اور فرائض میں شامل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''نیکی کی ایک دوسرے کو تلقین کرو اور برائی سے ایک دوسرے کو روکو''۔ (ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جس کسی شخص کو کوئی برائی نظر آئے تو اسے چاہیے

کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے اپنی زبان سے کام لے، اگر اس کی بھی جرأت نہ رکھتا ہو تو یہ کوشش اپنے دل سے کرے اور یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہوگا''۔ (صحیح مسلم)

اس کے برخلاف غیر مسلم معاشرے میں یہ طرزِ عمل ناقابلِ برداشت سمجھا جاتا ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ ''اپنے کام سے کام رکھو'' لیکن اللہ جل شانہ اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق مسلم معاشرے کے برے افراد سے ''جہاد'' کرنا اور ان کی برائیوں کو بدل ڈالنا اور انہیں برائیوں سے روکنا مسلمانوں کے لیے عموماً اور حکومت وقت کے لیے خصوصاً بڑا ہی اہم فریضہ ہے، جس سے غفلت برتنا معاشرے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتا ہے۔

پاکستان کے قیام کا منشاء بھی یہی تھا کہ یہاں قرآن اور سنّت کی بالادستی ہو، شریعت کا نفاذ ہو اور ایسا مسلم معاشرہ تشکیل پائے کہ نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ غیر مسلم ممالک بھی اس میں امن وسلامتی، عدل وانصاف، رواداری اور بھائی چارہ کی فضا سے متاثر ہو کر اپنے اپنے ممالک میں بھی ایسا ہی نظام برپا کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے: ''تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے، وہی فلاح پائیں گے''۔ (سورۂ آل عمران)

لہٰذا اصلاح معاشرہ کا کام تو جاری وساری رہے گا۔ علمائے حق، دینی جماعتیں، اسلام کے مایہ ناز دانش ور، صحافی، اہل قلم اور فرزندان اسلام اپنی اپنی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق یہ ضروری فریضہ ہر لحہ انجام دیتے رہیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (سورۂ آل عمران)

قرآن وسنت کی ان تعلیمات سے پتا چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور اصلاح معاشرہ امت مسلمہ کا دینی وملی فریضہ ہے۔

محسنِ انسانیت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے درخشاں پہلو

آپؐ کی حیاتِ طیبہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی سرچشمہ اور ایک روشن مثال ہے

خالق کائنات نے نبی کریم احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور مرتبے کے بارے میں بڑے واضح انداز میں اعلان فرما دیا ہے۔ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا سوائے اسکے کہ آپ رحمت اللعالمین ہیں۔

خالقِ کائنات نے جس طرح اپنی حقیقت واضح کی ہے کہ صرف اس کی ذات ہی عبادت کے لائق ہے اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کی ذات کے بارے میں فرما دیا ہے کہ آپ کی آمد عام لوگوں کی طرح نہیں جو تواتر کے ساتھ یہاں آتے چلے جا رہے ہیں کہ ان کے دم سے یا تو رونق جہاں قائم رہے یا یہ زمین کا بوجھ بن جائیں بلکہ آپ کی تشریف آوری باعثِ رحمت عالم ہے۔قرآن مجید میں فرمان الٰہی کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم نے کائنات میں جتنے عالم پیدا کیے ہیں ان میں وہ صرف آپ کی ذات ہے جو ابر رحمت بن کر سایہ فگن ہے۔ خالق کائنات رب جلیل نے آپ کی اسی صفت رحمۃ اللعالمین ہونے کے سبب مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔"یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو!تم بھی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو"۔

نہ صرف یہ کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس کے اجر عظیم کی خوش خبری بھی سنائی گئی ہے یعنی جو مسلمان آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔اللہ کی ہم پر ایک رحمت ہی ہمارے اعمال کی تمام لغزشوں کو دھوڈالتی ہے، دس رحمتوں کی تو بات ہی کیا ہے۔آپکی ذات اقدس کے نزول فرماتے ہی دنیا پر رحمتوں کے دروازے کھل گئے۔عالم رنگ و بو میں ہر چہار طرف باران کرم کا نزول شروع ہو گیا۔ ظلم کی آندھیاں تھم گئیں، مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ گئے، سسکتی اور دم توڑتی انسانیت جی اٹھی۔قرآنِ حکیم آپ ﷺ کی صفت عالیہ کی گواہی دیتا ہے۔ارشادِ ہے: تم لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔رحمت اللعالمین کی حیثیت

سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس بنی نوع انسان کے لیے نافع اور رحمت ہے۔

مفتی محمد حسین نعیمی اپنی کتاب ''نبی کریم ﷺ بطور ماہرِ نفسیات'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔ ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ہمہ پہلو خیر و برکت کی حامل ہیں۔ اسوۂ حسنہ میں جو رہنمائی موجود ہے وہ انسانوں کو ان کے جملہ امراض اور تمام روگوں سے نجات دلانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو خوش گوار اور پر مسرت بنانے میں آپ ﷺ کی سیرت بہترین نمونہ ہے۔ جسم و روح کی شفا بخشی کے لیے کامیاب طریقہ علاج ہے۔ جسم کی صحت و توانائی، بالیدگی و لطافت او تیموں کی اصلاح اور کردار کی عظمت و بلندی اسوۂ رسول ﷺ کے لازمی ثمرات ہیں۔ آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے میں جسمانی اور روحانی فوائد کے علاوہ نفسیاتی شفا بخشی کی تاثیر بھی موجود ہے''۔

جس دور میں آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے وہ بڑا پر آشوب دور تھا۔ اہلِ عرب باوجود علم و شعر و ادب و زبان دانی میں یکتائے روزگار ہونے کے باطل پرستی اور سماجی و معاشرتی برائیوں میں گرفتار تھے۔ ان کے اخلاقی زوال کی انتہا یہ تھی کہ وہ تباہی کے گہرے غار کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ اگر رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اس قوم اور معاشرے پر سایہ فگن نہ ہوتی تو یہ قوم بھی عاد، ثمود اور لوط علیہ اسلام کی قوم کی طرح نیست و نابود کر دی جاتی مگر رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات اور سیرت طیبہ کے عملی نمونوں کی اثر پذیری نے انہیں نیست و نابود ہونے سے بچا لیا۔

آپ ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے اخلاق حسنہ کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ جہالت کی تاریکیاں چھٹنے لگیں اور فہم و ادراک متاثر ہونے لگے۔ انسانی فطرت کا متاثر کن پہلو اپنے دشمن کو معاف کر دینا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا یہی پہلو سب سے زیادہ روشن ہے۔ جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو کون سا ظلم تھا جو آپ پر نہیں توڑا گیا، کون سی برائی تھی جو آپ کے حق میں روا نہیں رکھی گئی، آپ کو ایسی ایسی ایذائیں پہنچائی گئیں اور اس نوع کی تضحیک کی گئی کہ کوئی دوسرا ہوتا تو تلوار کھینچ کر کھڑا ہو جاتا یا اپنے قبیلے کو مدد کے لیے پکارتا، یا اللہ کی

بارگاہ میں فریاد کناں ہوجاتا کہ پروردگار! ان میں سے کسی ایک کو بھی روئے زمین پر زندہ نہ چھوڑنا مگر آپؐ تو دریائے رحمت بن کر آئے تھے۔ مکارم اخلاق کا پیکر آپ ﷺ تو دنیا کی زندگی کا اصل چہرہ دکھانا چاہتے تھے۔ اس زندگی کا جو اللہ نے بنی نوع انسان کو عطا فرمائی تھی۔ پاکیزہ درخشاں وتابندہ، مژدۂ جاں فزا اور مستقبل کی کامیابی کی ضمانت لہٰذا آپ نے بارگاہِ العزت میں فرمایا بھی تو یہی فرمایا کہ یا اللہ! میری قوم کچھ جانتی نہیں، اسے سیدھی راہ دکھا۔ غرض یہ کہ آپ نے تبلیغ دین کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دی، دکھ کا ہر لمحہ ہنس کر سہہ لیا، یہاں تک کہ گھر بار عزیز واقارب اور اللہ کے گھر تک کو خیر باد کہنا گوارا کرلیا مگر اپنے فرض نبوت سے روگردانی نہ کی اور صاف فرمادیا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چانداور دوسرے پر سورج لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے روگردانی نہیں کروں گا۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی زندگی کا جو پہلو روشن ہو کر دنیا کے سامنے آیا، اس سے فلاح انسانی کی کئی جہتیں واضح ہوتی ہیں۔ جنگِ بدر میں آپ ﷺ کی حکمت عملی سبق دیتی ہے کہ اگر انسان خالقِ کائنات کے سامنے جھک جائے تو ساری کائنات اس کے سامنے جھک جائے گی۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ کا سلوک انسان کی اجتماعی زندگی میں آفاقی اقدار کو نمایاں کرنے کی واضح مثال ہے۔ قیدیوں میں جو نادار پڑھے لکھے تھے ان سے کہا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینے کے دس دس بچوں کو پڑھادے اور جو صاحب استطاعت تھے ان سے فدیہ وصول کرکے انہیں رہا کر دیا گیا۔ اس فیصلے پر غور کریں تو دریائے رحمت جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ نئی قائم شدہ اسلامی ریاست کی اقتصادی بہتری کا انتظام، نظامِ تعلیم کا قیام، غیر مسلم قیدیوں کی زندگی کی ضمانت، یہ تمام اقدامات عالم انسانیت کے لیے اپنے اندر ایسا درس رکھتے ہیں کہ جسے عملی نمونہ بنا کر آج عالمی امن قائم کیا جاسکتا ہے اور دنیا کو عفوودرگزر کا پیغام دے کر جنت کا نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔ آپؐ کا پیش کردہ تاریخ ساز خطبہ حجۃ الوادع انسانی حقوق کا عالمی منشور ہے جو انسانی فلاح کا ضامن بن سکتا ہے اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ہی ہمیں دنیوی آفات ومشکلات سے نجات دلاسکتی ہے۔

تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ: ایمان کا لازمی اور بنیادی تقاضا

سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی اطاعت اور آپؐ سے عقیدت ومحبت
امتِ مسلمہ کا سرمایۂ ایمان ہے، آپؐ کی شان اور ناموس کا
تحفظ انسانیت کا مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی فریضہ ہے

آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دفعہ ''295۔سی'' قانون تحفظ ناموس رسالتؐ، فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ نمبر3، سال 1986' کی صورت میں منظور ہوئی، اس میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہا گیا: ''جو شخص بذریعہ الفاظ، زبانی، تحریری یا اعلانیہ، اشارتاً، کنایتاً (آپ ﷺ پر) بہتان تراشی کرے یا رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کا ارتکاب کرے، اسے سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔''

مذکورہ بالا دفعہ میں ''یا عمر قید'' کا لفظ اسلام میں توہینِ رسالت کی اجماعی سزا کے صریحاً خلاف تھا لہٰذا وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر 1990ء میں اپنے فیصلے میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ 30 اپریل 1991ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور ''یا عمر قید'' کے الفاظ ختم کر دیے جائیں اور یہ کہ اگر مقررہ تاریخ تک ایسا نہ کیا گیا تو بعد ازاں یہ الفاظ خود بخود کالعدم تصور کیے جائیں گے اور توہینِ رسالت کے مرکب کے لیے سزائے موت مملکت کا قانون بن جائے گا چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا جس کے نتیجے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق ''یا عمر قید'' کے الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائے۔

برصغیر پاک وہند میں قانون سازی کی طویل تاریخ میں یہ حقیقت بھی مخفی نہیں کہ 1860ء میں مرتب کردہ تعزیراتِ ہند جو بعد ازاں تعزیرات پاکستان کے نام سے نافذ العمل قرار پائیں، کے باب 15 کی 4 دفعات 295, 296, 297 اور 298 پر مشتمل

تھیں، جس کے مطابق کسی طبقے کے مذہب کی توہین، مذہبی رسوم میں خلل اندازی یا کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے حوالے سے مختلف سزاؤں کا تعین کیا گیا تھا۔ گویا 140 برس سے یہ دفعات اور اس حوالے سے مختلف سزائیں موجود تھیں۔

1947ء کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی واضح، غالب مسلم اکثریت اور مذہبی حساسیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بات میں مزید اضافہ کیا جاتا رہا اور اب مملکت خداداد پاکستان میں اہانت رسول کے مرتکب کی سزا صرف اور صرف موت مقرر ہے۔ ناموس رسالت ﷺ کے قانون کی منظوری کے بعد توہینِ رسالت کے مرتکب کے لیے ''سزائے موت'' قرآن وسنت، اجماع امت اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے متفقہ فیصلے کے مطابق نافذ ہوگئی اور اس طرح توہین رسالت کے مرتکب کی سزا عام فرد سے ریاست اور عدالت کو منتقل ہوگئی۔ اس طرح گویا یہ سزا قانون کے دائرے میں آنے سے کسی بھی قسم کی الزام تراشی، غلط بیانی، ذاتی انتقام، مفروضوں کی بنیاد پر قائم مقدمات کے حوالوں سے محفوظ قرار پائی اور لاقانونیت اور قانون شکنی کا راستہ مسدود ہوگیا۔ عدالت مکمل تحقیق، گواہان کے بیانات اور دیگر ضروری معلومات کے بعد منصفانہ فیصلے کی پابند قرار پائی اور بڑی حد تک اقلیتوں کو تحفظ حاصل ہوگیا جب کہ اس سے قبل اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ بالعموم اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ بالخصوص اس حقیقت پر گواہ ہے کہ توہین رسالت کے بدباطن مرتکبین کو شمع رسالت کے پروانوں نے جہنم رسید کر کے اس فریضے کو ادا کیا۔ برصغیر کی تاریخ میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

برطانوی دورِ حکومت میں 1920ء اور 1930ء کے عشروں میں ہندوؤں کی طرف سے توہینِ رسالت کے متعدد واقعات پیش آئے جو ہندوؤں کی پیدا کردہ شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا حصہ تھے، جن کا مقصد مسلمانوں کو ہندومت کی طرف مائل کرنا اور انہیں ہندو بنانا تھا چنانچہ اس دورانِ اہانت رسول کے مرتکبین کو جاں نثارانِ رسول ﷺ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

1857ء کے جہادِ آزادی کے بعد صلیبی ذہنیت کی علمبردار انگریز سرکار نے برصغیر پاک و ہند میں عاشقانِ رسول کی پیغمبر اسلام ﷺ سے حد درجہ وارفتگی اور جذبہ عشق وفدائیت کو گہری نیند سلانے کے لیے جو متعدد نسخے آزمائے، اہانت اور شتم رسول کا حربہ ان میں سب سے مکروہ، قابل مذمت اور عاشقان وفدائیانِ رسول کی رسول اللہ ﷺ سے حد درجہ محبت وعقیدت، وارفتگی اور غیرت ایمان کے لیے سب سے بڑا امتحان تھا۔ اس ناپاک اور مذموم تحریک کی بنیاد اس فلسفے پر رکھی گئی کہ۔۔۔۔!

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

عاشقان وجاں نثارانِ رسالت ﷺ قانون توہینِ رسالت ﷺ کی عدم موجودگی یا قانون کے غیر موثر ہونے کے باعث رضا کارانہ طور پر اپنی جوانیاں توہینِ رسالت کے مرتکبین کو جہنم رسید کر کے حرمت وناموس رسول ﷺ پر نچھاور کر گئے، غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی عبدالرشید شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی میر حسین شہید اور غازی محمد حنیف شہید کے ساتھ ساتھ وہ تمام غازیان وفدائیان نبوت اس ابدی صداقت کی تاریخی، ناقابل تردید اور عملی حقیقت ہیں کہ مسلمان کا سرمایہ جان وایمان اور مرکز عشق ومحبت وارفتگی، سرکارِ دوعالم ﷺ کی عزت وناموس اور حرمت کا تحفظ ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال اس ابدی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں!

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر ب او نرسیدی تمام بو لھبی است

رسالت مآب ﷺ سے حد درجہ وارفتگی اور عقیدت ومحبت کے ابدی اور لافانی سفر کا آغاز عہد رسالت ﷺ میں صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ محبوب دوعالم ﷺ سے عقیدت ومحبت کی یہ قابل افتخار میراث اُمت محمدیہ ﷺ کو صحابہ کرامؓ سے ملی۔ محبت

ہی ادب وتوقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی اتباع واطاعت پر آمادہ کرتی ہے، تعظیم وہی تعظیم ہے جس کا منشاء محبت ہو اور اکرام وہی ہے جس کا مبدا محبت ہو۔ اُمت محمد ﷺ کی میراث رسالت مآب ﷺ سے حد درجہ عقیدت کے عملی اظہار، صحابہ کرامؓ کی محبت ووارفتگی کو دیکھیے کہ یہی ناموس رسالت ﷺ کی اساس ہے۔

عروہ بن مسعود ثقفی کو قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنا سفیر مقرر کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا، اسے سمجھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حالات کو غور سے دیکھے اور قوم کو آ کر آگاہ کرے، عروہ نے دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ وضو کرتے ہیں تو بقیہ آب وضو پر صحابہ یوں گرتے ہیں گویا ابھی لڑ پڑیں گے، مستعمل پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہی روک لیا جاتا ہے جسے وہ منہ پر مل لیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ تعمیل کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کچھ ارشاد فرماتے ہیں تو وہ سب لب بہ مہر ہو جاتے ہیں، تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور قوم سے آ کر یوں بیان کیا: لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا اور قیصر کا دربار بھی، نجاشی کا دربار بھی دیکھا مگر اصحاب محمد ﷺ جو تعظیم محمد ﷺ کی کرتے ہیں وہ تو کسی بادشاہ کو بھی اپنے دربار اور ملک میں حاصل نہیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ سے عقیدت ومحبت کی یہ قابل افتخار میراث آج بھی مسلم اُمہ کا سرمایہ ایمان ہے، عقیدت ومحبت اور وارفتگی وجاں نثاری کے یہ جذبات آج بھی اُمت محمد ﷺ کے دلوں کی دھڑکن اور حیات مستعار کا سرمایہ افتخار ہے، عقیدت ومحبت اور جاں نثاری کا یہ سفر انشاء اللہ ابد کی آخری ساعتوں تک جاری رہے گا۔ ناموس مصطفیٰ ﷺ پر پروانہ وار جاں نثار ہونے کا یہ جذبہ اہل ایمان کے دلوں کی دھڑکن بن کر تا قیام قیامت سلامت رہے گا۔

مولانا ظفر علی خان نے اس حوالے سے کیا خوب کہا ہے:

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ طیبہ کی حرمت پر خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا۔
مذکورا بالا حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت مخفی نہیں کہ قانون انسداد توہین رسالت میں کسی بھی قسم کی مجوزہ ترمیم قانون شکنی کو جنم دے گی، توہین رسالت کی سزا عدالت اور ریاست سے عام افراد تک منتقلی کا باعث ہو کر قانون شکنی کا سبب بنے گی۔ ناموس رسالتﷺ کا قانون غیر مسلم اقلیتوں کے تحفظ کا ذریعہ ہے، یہ ریاست اور فرد کے درمیان توہینِ رسالتﷺ کے مقدمات میں قانون شکنی کی راہ میں رکاوٹ، مذہبی فرقہ واریت، تصادم اور مذہبی حساسیت کے نتیجے میں برپا ہونے والی کسی بھی بدامنی اور قانون شکنی کے تدارک کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے بھی کہ ناموس رسالتﷺ کا تحفظ احترام وتکریم انسانیت اور بذات خود انسانی حقوق کے تحفظ کا مسئلہ ہے۔ یہ پوری دنیا میں بسنے والی ایک ارب، چالیس کروڑ اُمت محمدیہﷺ کا مسئلہ ہے جو ہادی برحقﷺ کی عقیدت ومحبت، حرمت وناموس کے تحفظ میں کسی مصلحت اور رواداری کے قائل نہیں، خود اقوام متحدہ کا عالمی منشور انسانی حقوق احترام وتکریم انسانیت کا علمبردار ہے۔

جب عالم انسانیت کا عام فرد انسان ہونے کے ناتے احترام وتکریم انسانیت کا مستحق ہے تو ایک ارب 40 کروڑ جاں نثاروں کے دلوں کے حاکم اور عالم انسانیت کے ہادی اور ہبرو نبی آخر واعظمﷺ اس احترام وتکریم انسانیت کے بدرجہا مستحق ہیں لہٰذا عالم انسانیت کے سب سے زیادہ لائق احترام وتکریم محسن انسانیتﷺ کی ناموس کا تحفظ احترام انسانیت اور انسانی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے انتہائی اہم اور اولیت کا حامل ہے۔ آپﷺ کا احترام اور تکریم پوری انسانیت کا احترام اور تکریم ہے اور نعوذ باللہ آپﷺ کی شان اقدس میں توہین آمیزی پوری انسانیت کی توہین اور احترام وتکریم کے منافی عمل ہے۔



تہذیب وتمدن پر بعثتِ نبوی ﷺ کے اثرات واحسانات

خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت سے مثالی تہذیب کا آغاز ہوا
انسانیت علم اور توحید کے نور سے منور ہوئی

آفتاب جہاں تاب فاران کی چوٹیوں سے بلند ہوا اور ساری زمین اس کی ضیاء پاشیوں سے منور ہوگئی، اندھیرے چھٹ گئے، تاریکیاں دور ہوگئیں اور ظلمتیں انوار رسالت مآب ﷺ کے سامنے دم توڑ گئیں۔ افق تا افق ہر طرف روشنی پھیل گئی اور روئے ارض اپنے رب کے نور سے منور ہوگئی۔ ایسی ضیاء پاشی ہوئی، نور کی کرنیں مغرب سے ٹکرا کر پلٹیں تو سراپا انعکاس نور سے منور ہوگئیں۔ خوابیدہ انسانیت یک لخت بیدار ہوگئی، بنی نوع انسان کی پژمردہ صلاحیتیں بہار لے آئیں، حیات تازہ کے روح پرور جھونکوں سے مخلوق خدا جھوم اٹھی، تاریکیوں میں گھرے ہوئے انسان یک بیک روشنی میں آگئے، بندوں کا اپنے خالق و مالک سے ٹوٹا ہوا رشتہ بحال ہوگیا۔ صحرائے عرب میں ایک دور دراز مقام مکۂ مکرمہ میں رحمۃ اللعالمین ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور انسانوں کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب عظیم برپا کیا جو ہنوز جاری اور تادم تحریر اپنی تازگی کے ساتھ موجود ہے۔ یہ انقلاب صرف مذہبی ہی نہیں تھا، علمی اور سیاسی بھی تھا، فکری اور نظری بھی تھا، معاشی اور معاشرتی بھی تھا، مادی بھی تھا اور روحانی بھی! غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں بچا جس میں آمنہ کے لال نے انقلاب نہ برپا کردیا ہو، یہ انقلاب تاحال جاری ہے اور تاقیام قیامت جاری رہے گا۔

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ساری دنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی، انسانیت اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، جہالت کے اندھیرے ہر طرف محیط تھے، انسانیت اپنے رب سے منہ موڑ کر دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی، دنیا میں اللہ کا نازل کردہ دین اپنی اصل صورت میں محفوظ نہ رہا تھا، عرب کا ایک باشندہ خانہ کعبہ کی دیوار سے پشت لگائے بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے رب! مجھے یہ تو پتا ہے کہ بندگی تیری ہی کرنی چاہیے لیکن میں نہیں جانتا کہ تیری بندگی کا کیا طریقہ اختیار کروں؟ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا دین فراموش کردیا گیا تھا، عرب میں حنفاء تھے جو حضرت ابراہیمؑ کے لائے ہوئے دین حنیف کے بچے

ہوئے آثار اور نقوش پر عمل پیرا تھے۔ عرب دین حق کی تلاش و جستجو میں کبھی یہودی بن جاتے اور کبھی نصرانی۔ حضرت سلمان فارسیؓ سچے دین کی تلاش میں ایران سے نکلے، شام پہنچ گئے، عیسائیت اختیار کر لی۔ راہبوں اور کاہنوں کی زبانی معلوم ہوا کہ آنے والا اب صحرائے عرب میں آئے گا، عرب کا سفر اختیار کیا، راستے میں غلام بنا لیے گئے۔ غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ وہ آ گیا جس کا مدتوں سے انتظار تھا، وہ آ گیا جس کی آمد کی بشارتیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ نے دی تھیں، وہ آ گیا جس کے آنے کی دعائیں ابراہیم خلیل اللہؑ نے کی تھیں، آنے والا دعائے خلیل اور نوید مسیحا بن کر آ گیا۔ ساری دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عالم تمام ایک ظلمت کدہ بنا ہوا تھا۔ اہل عرب جہالت میں سر تا پا غرق تھے، بت پرستی عام تھی، بت پرستی کا مذاق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کھانا پکانے کے لیے چولہا بنانے کے لیے پتھر ڈھونڈتے تو تین پتھر لگا کر آگ جلانے کے لیے چولہا بنا لیتے اور چوتھا پتھر نصب کر کے اس کی بندگی شروع کر دیتے۔ مٹی کا ڈھیر لگاتے اور مٹی کے اس ڈھیر کی بندگی شروع ہو جاتی۔ روٹی پکاتے ہوئے آٹا بچ جاتا تو بچے ہوئے آٹے کا لوندا بنا کر رکھتے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ قحط پڑتا تو یہی آٹے کے بت پکا کر کھا لیتے۔

اس وقت کی متمدن دنیا روم و ایران کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ وہاں بھی بت پرستی کا یہی حال تھا بلکہ شاید اس سے بھی بدتر تھا، وہاں حاکم و محکوم کی ایک گہری لکیر کھنچی ہوئی تھی، محکوم حاکموں کے ظلم و جبر کی چکی کے پاٹوں میں پسے جا رہے تھے۔

محمد عربی ﷺ تشریف لائے، پہلی وحی کا آغاز ہی اقراء (پڑھیے) سے ہوا۔ ارشاد ہوا: پڑھیے، اس رب کے نام سے جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور جس نے قلم کے ذریعے انسان کو اس علم سے آگہی عطا کی جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ بس پھر کیا تھا کہ علم و تعلیم کا چرچا شروع ہو گیا، بعثت محمدی ﷺ سے پہلے مکے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد کے برابر تھی، اب کیا ہوا؟ بدر کے قیدیوں کا فدیہ طے ہوا کہ ہر قیدی دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ چالیس صحابہ کرام اجمعین کاتبین وحی بن گئے۔ صفہ میں ایک عظیم الشان دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی قائم ہوگئی جس کے عظیم فرزند حضرت ابوہریرہؓ تھے، جنہوں نے کم و بیش نصف صدی حدیث رسول ﷺ کی تعلیم و تبلیغ اور فرامین

نبوت کی نشر و اشاعت میں صرف کر دی۔ رسول کریم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینے کے درودیوار نورِ اسلام سے منور ہو چکے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی مساعی جمیلہ سے کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں ایک سال کی قلیل مدت میں اسلام نہ پھیل گیا ہو۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے نتیجے میں رسول کریم ﷺ کی سیادت و قیادت مدینہ منورہ میں ہجرت سے پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا، اللہ کے رسول ﷺ ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو اس بستی کا نام تبدیل ہو کر مدینۃ الرسول ﷺ ہو گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اس بستی میں والہانہ استقبال ہوا، بچیوں نے استقبالیہ نغمے گائے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

مدینہ منورہ میں دو قبیلے انصار مدینہ کے یعنی اوس اور خزرج اور تین قبیلے یہودیوں کے آباد تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان سب پر مشتمل ایک میثاق مرتب فرمایا جو تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے متعارف ہے۔ یہ دنیا کی تاریخ کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے، دنیا کہتی ہے کہ معاہدہ عمرانی کا تصور سولہویں صدی عیسوی میں روسو نے دیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تصور سب سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا کہ حکومت، ریاست ایک معاہدہ عمرانی کے تحت وجود میں آتی ہے۔ آپ ﷺ نے صرف تصور ہی نہیں دیا بلکہ اس کے مطابق عملاً مدینہ منورہ کی ریاست قائم کر کے دکھا دی جو ایک چوتھائی صدی میں دنیا کی سب سے عظیم مملکت بن گئی۔
رسول کریم ﷺ نے ایک لاکھ سے زیادہ صحابہؓ کی ایسی جماعت تیار کی جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہ پہلے کبھی سامنے آئی اور نہ بعد میں کبھی انسانوں کا ایسا باکمال اور جامع صفات گروہ پیدا ہوا۔ ایران کے سپہ سالار نے صحابہ کرام کے بارے میں کس قدر خوب صورت اور برجستہ جملہ کہا تھا۔ رھبان باللیل و فرسان بالنھار (راتوں کے راہب اور دن کے شاہ سوار) صحابہ کرامؓ کی جماعت دنیا کے کونے کونے میں پہنچی اور اپنے دینی، اخلاقی معاشرتی اور تہذیبی اثرات مرتب کیے۔ دنیائے معلوم کا کوئی گوشہ کوئی کونا ایسا نہیں ہے جہاں اسلامی تہذیب نہ پہنچی ہو اور اسلامی فکر نے اقوام و ملل کی تقدیریں نہ بدل دی ہوں۔ مسلمانوں نے اسپین میں تقریباً سات سو برس حکومت کی۔ ہسپانیہ کی آبادی یہودیوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھی، یہاں

مسلمانوں نے عظیم درس گاہیں قائم کیں۔ اشبیلیہ، غرناطہ اور قرطبہ میں بڑی بڑی جامعات قائم ہوئیں، اساتذہ مسلمان تھے اور علم حاصل کرنے والے طلبہ یہود و نصاریٰ۔

علامہ ابن حزمؒ اور علامہ ابن خلدونؒ جیسے جلیل القدر علماء موجود تھے، جن سے اہل مغرب تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ امام مالکؒ کی کتاب المدونۃ اندلس کا نافذ العمل قانونی ضابطہ تھا۔ لفظ (CODE) المدونۃ ہی کا ترجمہ ہے، صاف ظاہر ہے کہ اہل مغرب نے اس سے صرف کوڈ ہی کا لفظ نہیں لیا ہوگا بلکہ المدونۃ سے بیش بہا قانونی استفادہ کیا ہوگا۔ دسویں صدی کے آخر میں ایک عیسائی پادری اندلس سے حصول علم کے بعد فرانس گیا اور اس نے وہاں جا کر مدرسہ عرب قائم کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک ہی نہیں ہوگا، متعدد طالبان علم نے اپنے علاقوں میں جا کر علم کی روشنی پھیلائی ہوگی اور مغرب جو تمام تر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اس میں روشنی کی بے شمار شمعیں روشن کی ہوں گی۔ یہ اندلس کے مسلمانوں کی علمی فیاضی تھی جو مغرب میں تحریک احیائے علوم کی بنیاد بنی۔ کہتے ہیں کہ آج دنیا سکڑ اور سمٹ کر ایک گاؤں بن گئی ہے، معلومات کی کثرت اور اس کی فراہمی سہل ہوگئی ہے، اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ دنیا بھر کے مذاہب کی حقیقت بھی بنی نوع انسان کے سامنے پوری طرح منکشف ہوگئی ہے اور اب دنیا تیزی سے اس حقیقت کی جانب بڑھ رہی ہے کہ اب دنیا میں اگر کوئی سچا دین باقی ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام ہے۔ اسلام میں خود اس قدر کشش ہے کہ غیر مسلم اس کی جانب کھنچے چلے آتے ہیں۔ اگر مذاہب کی تبدیلی کی جانب کوئی راغب ہوتا ہے تو اسے دین اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ آج جس قدر اسلام کی حقّانیت واضح ہے شاید ہی اس سے پہلے کبھی انسانوں پر اس قدر وضاحت کے ساتھ منکشف ہوئی ہو۔ آج جس قدر دنیا تیزی سے اسلام کی جانب سبقت کر رہی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان اہل علم اپنے آپ کو دعوت کے لیے تیار کریں اور علم و عمل کا اور سیرت و کردار کا ایسا نمونہ انسانیت کے سامنے پیش کریں کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو جائیں۔ محمد عربی ﷺ کے ماننے والے اس دین کے علم بردار بن کر اٹھیں جو رسول ﷺ لائے تھے۔ آ دنیا بھر میں اسلام کی دعوت لے کر اٹھنا اور رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہی ذکر رسول ﷺ کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔

مسلمان ہی مصائب اور زبوں حالی کا شکار کیوں؟

اُمت مسلمہ کے موجودہ حالات کے تناظر میں مولانا سعید احمد جلال پوری شہید کی ایک فکر انگیز تحریر:

بلاشبہ آج کا دور مختلف فتنوں اور نئے نظریات کا دور ہے، دیکھا جائے تو یہ قرب قیامت کا وقت ہے۔ مسلمانوں سے اللہ کی حفاظت و مدد اٹھ چکی ہے، ان کی دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں، سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی ناراضی، ظاہرداری، چاپلوسی، انانیت، خود پسندی اور اُمت کے زوال کا دور ہے۔ فتنہ و فساد عروج پر ہیں، خیر سے محروم لوگوں کی کثرت ہے، یہود و نصاریٰ کی نقالی کامیابی کی معراج شمار ہونے لگی ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگوں اور معاشرے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ چنانچہ ایسے ہی دور کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے: نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے جیسے چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پروا نہیں کرے گا (صحیح بخاری: کتاب الرقائق، ص926 ج:2)۔

اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ضرور ہے لیکن اللہ کی مدد آنے کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ ''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت فرمائے گا'' (سورۃ محمد)

لہٰذا جب سے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد چھوڑ دی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں سے اپنی رحمت و عنایت اور مدد کا ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر طرف کافر مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جس طرح دستر خوان پر چنے ہوئے کھانے پر لوگ ٹوٹتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں اس کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

''وہ وقت قریب آتا ہے جب تمام کافر قومیں تمہیں مٹانے کے لیے مل کر سازشیں کریں گی اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دستر خوان پر کھانا کھانے والے لذیذ کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا قلت تعداد کی

وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا ؟ فرمایا: نہیں ! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہو گے، البتہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح نا کارہ ہو گے، یقیناً! اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دے گا۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔''

جس معاشرے کا یہ حال ہو اور جن مسلمانوں کے اعمال و اخلاق کا یہ نقشہ ہو وہاں اللہ کی مدد آئے گی یا اللہ کا عذاب؟

جہاں تک ارشاد الٰہی ''بے شک اللہ کی مدد قریب ہے'' کا وعدہ ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ دنیا مسلمانوں کے لیے قید خانہ اور کفار و مشرکین کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

یعنی عموماً کافر کی نسبت مومن کو دنیا میں آفات و مصائب کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ کافر کا دنیوی کروفر اور راحت و آرام اور مومن کی تکلیف و تعذیب کو دیکھ کر مسلمانوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ مومن کی دنیا کی تکلیف و تعذیب اور مصائب و آلام کا اس کی جنت کے ساتھ اور کافر کے ظاہری کروفر، عیش اور راحت و آرام کا اس کی جہنم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو سمجھ آ جائے گا کہ جس طرح کافر کی دنیوی راحت و آسائش کی، اس کی جہنم کی سزا کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں اسی طرح مسلمان کی دنیا کی عارضی تکالیف و مشکلات اس کی جنت اور آخرت کی راحت و آرام کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزاء ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص عملی میدان میں جتنی محنت و مشقت اور جہد و مجاہدہ برداشت کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اسے راحت و آرام میسر آئے گا اور جو شخص میدان عمل میں جتنی کوتاہی کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اسے ذلت و رسوائی اور شرمندگی کا سامنا کرنا ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح مقربین بارگاہ خداوندی کو بھی آخرت کی کھیتی یعنی دنیا میں جہدِ مسلسل اور محنت و مشقت کا سامنا ہے مگر عاقبت و انجام کے اعتبار سے جلد یا بدیر راحت و آرام ان کا مقدر ہوگا، دوسری طرف کافر اگرچہ یہاں ہر

طرح کی راحت و آرام سے سرفراز ہیں مگر مرنے کے ساتھ ہی عذاب جہنم کی شکل میں ان کی راحت و آرام اور ظلم و سرکشی کا ثمرہ ان کے سامنے آجائے گا۔

کسی مسلمان کی تخلیق کا مقصد دنیا اور اس کی راحتوں کا حصول نہیں بلکہ مسلمان کو جنت اور جنت کی لازوال و ابدی نعمتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور جنت کا حصول کچھ آسان نہیں بلکہ جنت کے سامنے یا اردگرد مشکلات و مصائب کی باڑھ لگائی گئی ہے اور دوزخ کے گرد خواہشات کی باڑھ لگائی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے گرد ناگواریوں اور مشقتوں کی باڑھ رکھی گئی ہے اور دوزخ کے گرد خواہشات کی باڑھ رکھی گئی ہے۔''

اس لیے کسی نیک، صالح مسلمان کا دنیا میں مشکلات و مصائب اور مکروبات سے دوچار ہونا دراصل حصول جنت میں کامیابی کی نشانی ہے اور کفار و مشرکین اور معاندین کے لیے دنیوی راحت و آرام یا خواہشات نفسانیہ کا مہیا ہونا ان کے عذابِ نار و سقر سے دوچار ہونے کی علامت ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آخرت کے عذاب سے بچانے کے لیے دنیا ہی میں انہیں مصائب و تکلیف میں مبتلا فرماتا ہے تاکہ اس کی کمی کوتاہیوں کا معاملہ یہیں نمٹ جائے اور آخرت میں انہیں کسی عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں ہی اسے فوری سزا دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ اس کے برعکس ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا موخر کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دیں گے۔ (ترمذی)

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بندے کو جتنی بڑی آزمائش پیش آئے، اتنی بڑی جزا اسے ملتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو اسے مصائب اور آلام سے آزماتا ہے پس جو شخص ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور جو شخص ناراض رہا اس کے لئے ناراضی ہے۔

دینِ اسلام: طہارت اور پاکیزگی کا مثالی طرزِ معاشرت

انسانی حقوق میں نظافت اور طہارت معاشرتی طور پر اور نفرادی اعتبار سے بھی جسم کا ایک اہم اور بنیادی حق ہے لیکن ان دونوں (نظافت وطہارت) میں فرق بھی ہے، اس فرق کو اسلام نے ملحوظ رکھا ہے۔ جہاں تک نظافت کا تعلق ہے کہ صاف ستھرا رہنا، نہانا، دھونا، اجلے اور صاف کپڑے پہننا، یہ تصور دنیا کی تمام تہذیبوں اور شائستہ اور سلیم الطبع انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں بھی اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خود اس کا بڑا اہتمام رہتا تھا اور اپنے اہل بیت اطہارؓ اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کے اہتمام و خیال کی ترغیب دیتے تھے، خوشبو کا استعمال فرماتے، کپڑوں میں سفید کپڑے پسند کرتے، مسواک کا بڑا اہتمام رکھتے، ناخن بڑھنے نہیں دیتے، بالوں کی صفائی کا پورا خیال کرتے اور تیل و کنگھے کا استعمال کرتے اور آپ ﷺ اس کا اس درجہ اہتمام فرماتے تھے کہ ہر اچھے و مرغوب کام کو داہنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ نشست و برخاست، اکل وشرب، سلام و مصافحہ حتیٰ کہ صف بندی اور طہارت کے تمام امور میں یمین و یسار (دائیں، بائیں) کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جو اپنے لیے پسند کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کے لیے بھی وہی پسند کرتے، اس لیے نظافت کو بھی ہر ایک کے لیے پسند کرتے، مسجد کے لیے اس کی اور زیادہ تاکید فرماتے۔ علامہ ابن عبدربہ الاندلسی نے ''العقد الفرید'' میں حضرت امام مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہیں حضرت زید بن اسلم نے اور انہیں حضرت عطاء بن یسارؒ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تھے، اتنے میں ایک شخص بکھرے اور الجھے بالوں کے ساتھ مسجد کے اندر آیا، آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا کہ جاکے سر اور داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرے پھر آئے، اس نے ایسا ہی کیا اور واپس ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا یہ پراگندہ بال آنے سے کہ شیطان کی طرح (بد

ہیئت) ہو، بہتر نہیں ہے؟

علماء نے مسجد سے باہر جا کر بالوں کو درست کرنے میں یہ حکمت بھی بیان کی ہے کہ مسجد کے لحاظ واحترام کے حوالے سے یہ بات احترام کے منافی معلوم ہوتی ہے کہ وہاں بالوں میں کنگھی کی جائے یا بال تراشے جائیں اس لیے کہ مسجد اللہ کی عبادت، رکوع وسجدہ اور دعا ومناجات کی جگہ ہے، کوئی بھی ایسا کام جو نظافت کے خلاف ہو، وہ ان کاموں کو خشوع سے انجام دینے میں رکاوٹ بنتا ہے۔

جمعہ کے سلسلے میں اور زیادہ خصوصیت، اہتمام اور ترغیبات ملتی ہے کہ نہا دھو کر صاف ستھرے، دھلے اور اچھے کپڑے پہن کر خوشبو اور تیل لگا کر مسجد آیا جائے۔قرآن حکیم میں بھی فرمایا گیا: ''ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (لباس) سے آراستہ رہا کرو''۔

یہ تو نظافت کی بات تھی، اس سے بڑھ کر طہارت ہے جس کے جسم پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور انسان کے مزاج واخلاق کو صحیح رخ پر لانے میں اس کا نہایت اہم کردار ہے۔بعض علماء اور اطباء سے وسوسوں کے علاج کی تدبیر دریافت کی گئی تو انہوں نے طہارت کے صحیح طور پر کرنے اور اس کے اہتمام پر زور دیا۔شیطانی اثرات سے بچاؤ کی بہترین تدبیر طہارت ہے اور یہ گناہوں سے حفاظت کا موثر ذریعہ بھی ہے، اس کے برعکس نجاست ہے، اسی نجات کے ازالے کے لیے طہارت کا حکم ہے۔

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں: ''طہارت کا تخیل ابراہیمی، محمدی ﷺ تہذیب کی خصوصیات ہے، اس کا معیار اس بارے میں جتنا بلند ہے، میرے علم میں کسی اور تہذیب اور نظام زندگی میں اس کی مثال نہیں ملتی، بدن اور کپڑے کی پاکی، کپڑے یا بدن پر پیشاب کی ایک چھینٹ پڑ جائے یا کوئی گندی چیز لگ جائے تو اسے پاک کئے بغیر نہ مسلمان نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ اسے اطمینان حاصل ہوسکتا ہے، چاہے اس کے کپڑے دودھ کی طرح سفید اور اس کا بدن آئینے کی طرح صاف وشفاف ہو، یہی حکم پانی، کھانے، برتن، فرش، زمین اور ان سب چیزوں کا ہے جو مسلمانوں کے استعمال میں آتی ہیں، ''نجاست'' اور ''طہارت'' کا

یہ فرق اور تخیل ابراہیمی و محمدیؐ تہذیب کا شعار اور اس کی خصوصیت ہے۔ جانوروں کے گوشت کے استعمال کے بارے میں بھی اسلامی شریعت دوسرے قوانین اور روایتوں سے مختلف ہے۔ یہاں بھی نجاست اور طہارت، مُردار و جائز اور حلال و حرام کی تفریق سے کئی جانور شریعت میں حرام اور دائمی طور پر نا قابل استعمال ہیں، یہ عام طور پر وہی ہیں جنہیں انسان کی فطرت صحیحہ اور ذوق سلیم ناپسند کرتا ہے اور جو حلال و جائز ہیں انہیں بھی ذبح کرنے اور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی شرط ہے ورنہ وہ بھی مُردار کے حکم میں ہوں گے۔ ''طیبات'' اور ''خبائث'' اور ''حلال'' اور ''میتۃ'' (مُردار) کی یہ تفریق بھی اس تہذیب کے خصائص ہیں۔

اسلام نفاست و طہارت کا وہ نظام ہے، جس سے ایک طرف انسانی حقوق کا تحفظ ہوتا ہے، انسان کا جسم آلائشوں اور کدورتوں سے محفوظ ہوتا ہے وہیں دوسری طرف وہ ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے اور اس عمل سے دوسرے بھی راحت پاتے ہیں۔ معاشرے سے بہت سی بیماریاں اور برائیاں دور ہوتی ہیں لیکن ان سب کے باوجود تعلیمات نبویﷺ نے اس میں راہ اعتدال پر قائم رہنے کو کہا ہے۔ اس کے اعتدال سے ہٹنے سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔



اُسوۂ نبوی ﷺ اور اصلاحِ معاشرہ

محسنِ انسانیت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ایک بے مثال اور لائق تقلید نمونہ ہے
آپ ﷺ کی تعلیمات اصلاحِ معاشرہ کی اساس اور امن وسلامتی کی ضامن ہیں

موجودہ دور میں امتِ مسلمہ انتشار کا شکار ہے، ہر طرف مایوسی چھائی ہوئی ہے۔ اس دلدل سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگی ''اُسوۂ حسنہ'' کے مطابق بسر کریں گے۔ اس طرح معاشرے سے برائی کا خاتمہ بھی ہوسکتا ہے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ بھی ممکن ہے۔

محسن انسانیت خاتم الانبیاء سرورِ کائنات حضرت مصطفیٰ ﷺ جس وقت دنیا میں تشریف لائے اس وقت دنیا کی حالت یہ تھی کہ دنیائے قدیم کی تہذیب راہبوں کے ہاتھوں عہد تاریک کی ایک یادگار بن کر رہ گئی تھی۔ چھ سو برس تک کتاب مقدس انجیل ان کے لیے صداقت اور نجات کا ذریعہ بنی رہی لیکن عیسائیوں نے انجیل مقدس کے احکام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بالکل فراموش کر دیا۔ عقائد کی خرابی کے علاوہ روم اور فارس کی عظیم الشان سلطنتیں بھی کم زور ہوچکی تھیں۔ ہندوستان کی حالت اور بھی ابتر تھی۔ پورا معاشرہ ذاتوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ناانصافی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی اچھوت کسی اونچی ذات والے کو چھو لیتا تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ اس کے برعکس اگر کوئی برہمن کسی اچھوت کو قتل بھی کر دیتا تو اسے سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ خود عرب میں اس وقت نہ کوئی منظّم حکومت تھی اور نہ ہی سماج میں عدل وانصاف کا کوئی تصور تھا۔ جہالت عام تھی، لوگ بے شمار قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ خانہ کعبہ میں 360 بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ عورتوں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ ہر قبیلے کے الگ الگ خدا اور سب اپنے اپنے خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ کشت وخون کا بازار گرم تھا۔ تہذیب وتمدن کی جڑیں کھوکھلی ہوچکی تھیں۔ انسانیت آخری سسکیاں لے رہی تھی۔ اس وقت دنیا کی جو حالت تھی

اسے قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے ”لوگوں کے اعمال کی وجہ سے حالت یہ ہو چکی تھی کہ خشکی اور تری میں ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔کوئی شے اپنے صحیح مقام پر نہیں رہی تھی۔“

رسول کریم حضرت محمد ﷺ اخلاق اور کردار ساز شخصیت کے مالک تھے۔آپ کی زندگی کا مشاہدہ اتنا وسیع تھا کہ آپ ﷺ انسانی زندگی کے تجربے سے گزرتے ہوئے معراج کی بلدیوں تک پہنچے تاہم آپ ﷺ کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔آپ شفیق باپ، مثالی شوہر، دیانت دار تاجر، عظیم قانون دان، اعلیٰ پائے کے سپہ سالار، عادل سربراہ مملکت، عظیم المرتبت رہبر و داعی اعظم اور پیغمبر تھے۔سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ”مجھے اس لیے معبوث کیا گیا ہے کہ میں بہترین، اخلاق کو درجہ کمال تک پہنچاؤں۔“ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں ارشاد ربانی ہے ”اور آپ ﷺ بے شک عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔“ بلاشبہ آپ کی ذات گرامی انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا کامل مجموعہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اخلاق نبوی ﷺ اور کمالات نبوی ﷺ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔آپ کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب کی مانند تھا۔نور مصطفیٰ ﷺ سے پوری کائنات منور ہوگئی۔آپ ﷺ نے دین کی تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کا فریضہ انجام دیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ روشنی کا مینار ہے۔آج ہم جن مسائل سے دوچار ہیں، ہمارا معاشرہ جس طرح دینی اور اخلاقی قدروں سے دور ہوتا جارہا ہے اس کے لیے تعلیمات نبوی ﷺ ہمارے لیے کامیابی اور فلاح کا سرچشمہ ہیں۔آپ ﷺ ابر رحمت ہیں اور ہر دور کا پیاسا اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہوتا رہا ہے اور تا قیامت ہوتا رہیگا۔آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ بحیثیت پیغمبر اسلام آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو جو احکام دیے اور جو سچائی کا راستہ بتایا، اس پر سب سے پہلے آپ ﷺ نے خود عمل کر کے دکھایا۔آپ کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عرب کے وحشی اور خوں خوار بدوؤں کو مہذب انسان بنایا، گم راہ اور غلط راہ پر چلنے والوں کو ہدایت بخشی، جاہلوں اور ان پڑھ لوگوں کو علم و حکمت سے روشناس کرایا اور ان کے دلوں میں اتحاد و اطاعت کا جذبہ پیدا کیا۔ایسی اطاعت تاریخ انسانی میں بڑے بڑے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوئی۔آپ ﷺ جب

صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ رسول ﷺ کے پروانے ایک جنبش پر تن من دھن قربان کرنے کے لیے حاضر کھڑے ہیں۔

حضور کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔" (بخاری و مسلم)

دراصل اتباع رسول ﷺ کے بغیر عشق رسول کی منزل تک پہنچنا ممکن نہیں۔ آنحضور ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا سنتِ رسول ﷺ اور اسوہ حسنہ پر مکمل عمل عشق رسول ﷺ کے لیے شرط ہے۔ نبی اکرم ﷺ رحمتہ اللعالمین ہیں۔ آپ کی عظمت اور بلند کرداری اس واقعے سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ہرقل اور نجاشی کے دربار میں بھی مخالفین اسلام آپ ﷺ کے کردار کے بارے میں ایک لفظ تک برا نہیں کہہ سکے۔ اس کے علاوہ آج تک کے مستشرقین میں سے جنہوں نے بھی غیر جانب دارانہ جائزہ پیش کیا ہے وہ یہ بات تسلیم کرتے نظر آتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ اخلاق کے بلد ترین مقام پر فائز تھے اور یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لیے اسوہ حسنہ (بہترین نمونہ) قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی ضرورت زندگی معاشرے کے معمولی سے معمولی افراد سے بھی کم رکھیں۔ یہ کیفیت اضطراری نہ تھی بلکہ اختیاری تھی۔ آپ ﷺ نے فقر کی راہ اختیار کی اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا۔ بیت المال میں جو کچھ بھی آتا دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے تقسیم کردیتے۔ یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں دس سال کے عرصے میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا۔ اس طرح روزانہ 274 مربع میل کی اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمنوں کا جانی نقصال ہزاروں تک بھی نہیں پہنچا اور مسلمانوں کا نقصان اس سے بھی کم تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پیغمبر رحمت ﷺ انسانوں کو قتل کرنے کے لیے نہیں بلکہ انہیں اسلام کے نور سے منور کرنے کے لیے ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اسلام کی غرض و غایت قتل و غارت گری نہیں بلکہ

اصلاح معاشرہ ہے۔ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے تھے وہ اس بات کے متقاضی تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہر اس شخص کو جو ظلم کا مرتکب تھا، سزا دی جاتی اور جن لوگوں نے ہجرت مدینہ کے بعد مکہ میں مسلمانوں کی جائیداد پر قبضہ کرلیا تھا ان سے وہ جائیداد واپس مستحقین کو دلوائی جاتی لیکن رحمتہ اللعالمین ﷺ نے دنیا کی تاریخ میں ایک ایسی مثال پیش کی جس کی نظیر نہیں ملتی اور یہ مثال تا قیامت یادگار رہے گی۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے کفار مکہ کو معاف کر دیا اور اعلان کیا کہ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ دراصل آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کی رحمت کے طفیل زندہ دفنائی جانے والی بچیوں کو نئی زندگی ملی، غلاموں کو حقوق ملے اور احترام انسانیت کا اصول اپنایا گیا۔ آپ کی بعثت سے قبل غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ عورتوں کو نہ صرف حقوق ملے بلکہ اسلامی معاشرے میں عورت کا درجہ بلند کیا گیا، یہاں تک کہ ماں کو اتنا بڑا رتبہ ملا کہ اولاد سے کہا گیا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے رحم دلی کی تعلیم دی ہے، چناں چہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے ''جو شخص رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرے گا''۔ آنحضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص، چاہے وہ معاشرے کا غریب سے غریب ترفرد کیوں نہ ہو آپ ﷺ کے حالات زندگی پڑھ کر صبر و شکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ خود کو معاشی طور پر حضور اکرم ﷺ سے بہتر حالات میں پاتا ہے۔ دراصل اسلامی نظام معیشت سرمایہ داری نظام سے بالکل مختلف ہے۔ سرمایہ دار ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے وہ مفلس ہو جائے گا۔ اس لیے سرمایہ داری نظام کا فلسفہ دولت جمع کرنا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی معاشی نظام کا فلسفہ یہ ہے کہ خرچ کرو کیوں کہ خرچ کرنے سے برکت ہوگی۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ربانی ہے ''آپ ﷺ سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ (راہ حق میں) ہم کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ بھی تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو، اسے خرچ کرو''۔ (سورۃ البقرہ)

دینِ اسلام: ایک مکمل اور ابدی ضابطہ حیات

دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ دین فطرت اور ہر دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، اس کی پیروی دین و دنیا میں کامیابی کی ضامن ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے" (سورۃ آل عمران)۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو سچائی اور فطرت پر قائم ہے اور اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق گزاریں۔ اس حوالے سے تعلیم دی گئی: "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" (سورۃ الفاتحہ)۔ اسلام وہ دین ہے جو ہمیں ہر آن آداب زندگی اور اصولوں سے روشناس کراتا ہے جس کی بدولت ہم اپنی زندگی ان احکام کے تابع ہو کر گزاریں کہ جس کی وجہ سے ہمیں آخرت میں قرب الٰہی حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے: "اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتے دار سے اجنبی، ہمسائے سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو۔ یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے منکر نعمت لوگوں کے لیے اللہ نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور در حقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر۔ سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہو، اسے بہت ہی بری رفاقت میسر آئی۔" (سورۃ النساء)

اسلام ہمیں رہبانیت سے سختی سے منع کرتا ہے کیوں کہ رہبانیت فطرت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام تو وہ مذہب ہے جس میں دین و دنیا کی علیحدگی کا تصور بھی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ ہو اور کھاؤ پیو اور حد

سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (سورۃ الاعراف)

اسلام کا تصور عبادت دیگر تمام مذاہب کے تصور عبادت سے یکسر مختلف اور منفرد ہے اور یہ تصور ہر لحاظ سے مکمل، اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اصل عبادت یہ ہے کہ انسان دنیوی کاروبار اور ذمے داریوں سے بھی دوچار رہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی بھی کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور انہیں انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی۔'' (سورۃ الحدید)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں، جو کچھ حلال وطیب رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس اللہ کی نافرمانی سے بچے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔" (سورۃ المائدہ)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''تمہارے نفس کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی، راتوں کو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی، مجھے دیکھو میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں، (عام دنوں میں) روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھی بھی، بس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔ پھر فرمایا:''یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے دنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ میں نے تو تمہیں یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تم راہب اور تارک الدنیا بن جاؤ۔ اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، حج اور عمرہ کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی اور جب انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔''

اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اگر تم اپنی ساری زندگی قرآن وسنت کے مطابق

گزارو تو تمہارا ہر عمل خود بخود عبادت میں شمار ہونے لگے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے''۔

دنیا کیا ہے؟ دنیا تو ایک خواب ہے، آنکھ کھلی تو خواب ختم یعنی دنیا کی حیثیت ایک عارضی قیام گاہ سے بڑھ کر نہیں۔ سانس آتی ہے، جاتی ہے۔ نہ معلوم کب سانسوں کی لڑی ٹوٹ جائے، نہ معلوم کون سی سانس اندر جائے لیکن واپس نہ آئے اور پھر یہ معلوم ہو کہ دارالعمل میں مہلت تو ختم ہو چکی ہے۔ ہنستا ہوا انسان لمحوں میں زمین اوڑھ لے اور دارالامتحان کے سخت ترین لمحات کا آغاز ہو جائے۔ دنیا اس کھیت کی مانند ہے کہ انسان آج جو کچھ اس کھیت میں بوئے گا کل آخرت کے دن اسی کا پھل اسے ملے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب تا کہ وہ لوگوں کو اللہ کے سخت عذاب سے خبردار کر دے اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کو خوش خبری دے کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (سورۃ الکہف)۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ، ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹ کر لائے جاؤ گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، انہیں ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ اجر ہے، عمل کرنے والوں کے لیے۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔'' (سورۃ العنکبورت)

اس ساری صورت حال کے پیش نظر جب بندہ دین اسلام پر یکسوئی سے عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہر وقت موجود رہتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور پاک ہے، اس میں سے کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تمہیں بدی اور بے حیائی کا اور اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہنے کا حکم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے۔'' (سورۃ البقرہ)

اگر ہم اپنی روزمرہ کی عبادات پر نظر ڈالیں تو ہمیں ایک طرف توکل ، عجز وانکساری، قناعت ،صبر وشکر ملتا ہے تو دوسری طرف دوسروں کے دکھ درد بانٹنے اور صفائی و پاکیزگی کا ایک نہایت ہی عمدہ ترتیب وار پروگرام نظر آتا ہے، یہی وہ ترتیب ہے کہ جس کی بدولت ایک فرد کی زندگی میں نظم وضبط کا پروگرام ترتیب پاتا ہے۔ جب ہم نماز کی ادائیگی کے لیے وضو کرتے یا غسل کرتے ہیں اور پانچوں وقت کی ادائیگی نماز کے لیے مسجد کا رخ کرتے ہیں تو جہاں ایک طرف ہم لوگوں کے میل ملاپ کی بدولت ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں تو دوسری طرف دلوں میں چھپی ہوئی کدورتیں بھی دور ہونے لگتی ہیں۔ انسیت کا ایک جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ ایک وسیع بھائی چارے کی بنیاد پڑتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے نبی ﷺ! تلاوت کرو اس کتاب کی کہ جو تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔“ (سورۃ العنکبوت)

سال میں ایک مہینہ ایسا ہے جس میں روزے رکھنا فرض ہے یعنی رمضان کا مہینہ، ظاہری طور پر دن بھر بھوکا رہنا لیکن باطنی طور پر اس چیز کا بھی احساس دلانا مقصود ہے کہ جب ایک غریب اور نادار بھوک و پیاس میں مبتلا رہتا ہے تو اس پر کیا گزرتی ہے؟ یہ ہی وہ احساس ہے کہ جو ذمے داری کا احساس دلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کیے گئے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی“ (سورۃ البقرہ)۔ یوں روزہ ایک فرد کے اندر زکوٰۃ وصدقات کی تحریک کو بھی ابھارتا ہے اور ایک وسیع سماجی نظام کی بنیاد بھی رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں ،صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے“ (سورۃ الاحزاب)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور انہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا ہے انہیں یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے“ (سورۃ الحدید)۔

اسلامی تعلیمات کی پیروی اور اس کے تقاضے، اس کے قوانین اور تعلیمات انسانی فطرت کے قریب تر اور عین مطابق ہیں

خالق کائنات نے انسانیت کی رہنمائی اور بہتری کے لیے شریعت اسلامیہ کو ضابطہ حیات اور طریقہ زندگی کے طور پر پیش کرنے کے بعد انبیائے کرامؑ کو بہ طور مثال پیش کیا، جن کی اتباع اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا۔ دین، شریعت کی بنیادی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق اور انسانی ضمیر کی تسکین و آرائش کا ذریعہ ہیں۔ مقاصد زندگی کے اعتبار سے ہر انسان برابر کا درجہ رکھتا ہے، تمام کی تمام ضرورتیں یکساں ہیں لہٰذا تمام اس نظام کائنات کے پابند ہیں جسے خالق کائنات نے مخلوق کی استطاعت کے مطابق عمل کے لیے پیش کیا ہے۔ عملی زندگی کا خوش کن اور پُر سکون پہلو شریعت اسلامیہ کی پابندی میں مضمر ہے۔ اس پابندی میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی پابندی تقاضائے ایمان بھی ہے اور معاشرتی و تمدنی ارتقاء کی ضمانت بھی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں دین دشمن لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، نیز نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنی جان و مال کو بچا لیا، ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطے کے تحت ہوگی، وہ اب بھی باقی رہے گی، اس کے بعد ان کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔'' (بخاری و مسلم)

دین اسلام کو ہر ممکن جدوجہد کے ذریعے وسعت دینا تاکہ اسلام کو بہ طور نظام زندگی و بندگی اپنایا جائے اور انسانی تہذیب میں اعلیٰ اخلاق کا احیاء ہو سکے، یہ ایک فریضہ ہے۔ کسی غیر دینی روایت و قانون اور کسی شخص و گروہی بالادستی کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اور دین و شریعت کو نافذ کرنے والی حکومت قائم ہو اور اسے اجازت نہ ہو کہ دین و شریعت کے دشمن افراد یا گروہ اسلامی معاشرے کی تشکیل اور اسلامی ریاست کی بنیادی تشکیل میں رکاوٹ بنیں، جو دین سے سرکشی اختیار کریں اللہ کے احکام

کے منکر ہوں، ان کے خلاف تادیبی کاروائی شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق عمل میں لائی جائے گی اور نفاذ اسلام کی اس کوشش میں شرکت ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو اپنے ارشادات میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اللہ کی حکمرانی کو چیلنج کرنے والوں، شریعت اسلامیہ کے باغیوں، انسانی تمدنی ارتقاء اوراس کی برکات سے استفادے کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کا محاسبہ کروں، بشرط یہ کہ معاشرتی ارتقاء اسلامی اصول زندگی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہو کہ ہر شخص کی عزت وآبرو، جان و مال، ایمان وعقیدے کی حفاظت ہو۔ شریعت اسلامیہ کے مخالفین کے خلاف اُس وقت تک جدوجہد جاری رکھی جائے جب تک وہ کفر کے راستے سے اسلام کی طرف مائل نہ ہوجائیں اور جب وہ شریعت اسلامیہ کی طرح رغبت کریں تو ان کی رہنمائی میں ہر ممکن کوشش کی جائے۔ ان کے حقوق کی حفاظت کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ وہ کفر وعناد کی بجائے ایمان واسلام کی دولت کو پالیں یعنی صدق دل سے اس بات کا اقرار اور زبان سے اس بات کا اظہار کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ ارکان اسلام کی پابندی کریں۔

دوسری صورت جس کا ذکر حدیث مذکورہ میں ہے اور دیگر احادیث میں غیر مسلموں کے لیے تفصیلی احکام موجود ہیں، اگر وہ ایمان اور اسلام کے دائرے میں نہیں داخل ہوتے تو اُن کے لیے اسلام کا احترام لازم ہے۔ ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا بشرط یہ کہ وہ امن پسند، دیگر مذاہب کا احترام کرنے والے شہری بن کر اسلامی مملکت کے اندر رہیں۔ اُن کے حقوق کی حفاظت اسلامی سلطنت کی ذمے داری ہے۔ ریاست اپنے اسلامی قانون کے تحت ان کے انسانی، سماجی، شہری حقوق کی نگہداشت کرے گی لیکن قانونی جرائم، سماجی بے اعتدالی اور بشری خطاؤں سے تعلق پر ان کا محاسبہ ومواخذہ ضروری ہوگا۔

حدیث نبوی ﷺ میں بیان کردہ تفصیلات کے حوالے سے شریعت اسلامیہ اپنے قانون کے نفاذ میں ظاہری حیثیت پر حکم کا نفاذ کرسکتی ہے اور باطنی حالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، یعنی اگر کوئی شخص جان و مال کی حفاظت یا کسی ذاتی غرض کے لیے

اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے باوجود دل میں کفر رکھتا ہے تو اسلامی قانون اُسے مسلمان ہی تسلیم کرتا ہے، اس کے دل کی کیفیت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے، جیسی نیت ہوگی ویسا ہی صلہ وہ پائیگا، اُس کے دل میں کھوٹ اور نفاق و کفر کی سزا اُسے ضرور ملے گی مگر معاملہ اللہ کی بارگاہ میں ہوگا اور وہ انسان کی گرفت اور اسلامی آئین کی سزا سے تو بچ نکلے گا مگر مواخدہ خداوندی سے نہیں بچ سکے گا۔

ایمان عقیدۂ توحید کی تصدیق قلبی کا نام ہے جس کا اظہار زبان سے لازم ہے، گویا ایمان کا اظہار جس سے مسلمان ہونے کی تصدیق ہو سکے اور دوسرے مسلمان اس سے آگاہ ہوں۔ عہد و پیاں، عبادات اسلامی ایمان کا عملی اظہار ہیں۔ حضور ﷺ نے ایسے شخص کے ساتھ معاملات کے قابل بھروسا ہونے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے، وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے عہد و پیمان میں ہے تو اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔'' (بخاری)

اعلیٰ اخلاقی صفات انسانی زندگی کا خوب صورت ترین باب ہیں۔ ایمان کے عملی پہلو سے ان میں نکھار آتا ہے لیکن اخلاقی زوال کی کیفیت حالت کفر و نفاق کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ملحدوں اور زندیقوں کی توبہ قبول کرتا ہے بشرطیکہ وہ ملحد و زندیق اپنے الحاد سے توبہ کرلے تو اس کی دعا قبول ہوگی اور اس کی جان لینے سے اجتناب کیا جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد و پیان کا وہ شخص پابند ہو جائے اس مسئلے میں متعدد اقوال ہیں۔ اس میں اہم کیفیت یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے جن سے اُس کا منکر خدا اور منکر دین ہونا معلوم ہوتا ہو اور پھر جلد ہی اس الحاد و زندیقیت سے برات کا اعلان کرے اور برضا و رغبت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی، اگر وہ سزا سے بچنے کے لیے ایسا انداز اختیار کرے تو اگر سزا سے بچ بھی جائے تو پھر بھی اس کی توبہ قبول نہ ہوگی کیوں کہ نیت درست نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا نظام جزا و سزا انسانی اعمال سے عبارت ہے۔ جیسا فعل انسانی نیت سے سرزد ہوگا ویسا ہی اُس کا صلہ ہوگا۔ اس لیے اسلام میں اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔

اسلامی عبادات میں حج کا مقام اور اس کی عظمت واہمیت

ارشاد ربّانی ہے: ''اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو'' (سورۃ البقرہ)۔ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ''اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس گھر کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی''۔

''حج بیت اللہ'' اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے تاہم یہ عبادت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔حج کے لغوی معنیٰ قصد اور ارادہ کے ہیں، البتہ شرعی اصطلاح میں حج کی تعریف 9 ذی الحج کو میدان عرفات میں پوری دنیا سے آئے ہوئے فرزندان اسلام کا ایک لباس یعنی احرام میں ملبوس ہو کر ایک کلمہ ''لبیک اللّٰھم لبیک'' کی صدائیں لگاتے ہوئے اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرنا ہے۔دیگر اسلامی عبادات ہر مسلمان اپنے اپنے مقامات پر متعین طریقے سے ادا کرسکتا ہے البتہ حج کی عبادت ایسی ہے جو اس مقام کے علاوہ کہیں اور ادا نہیں کی جاسکتی، اس کے لیے مخصوص ایاّم میں مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ وغیرہ میں مخصوص طریقہ عبادت ہے۔قرآن مجید، احادیث مبارکہ میں اس کی بے حد فضیلت بیان کی گئی ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے ''جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق و فجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جس دن اسے اس کی ماں نے جنا تھا'' (بخاری ومسلم)

وہ مسلمان خوش قسمت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فریضہ حج کے لیے منتخب کیا، سفرِ حج سے قبل نیت کی درستی ضروری عمل ہے۔رضائے الٰہی، ادائیگی فریضہ حج اور احکام الٰہی کی تعمیل کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو یعنی اوّلین غرض اللہ کی خوش نودی ہونی چاہیے۔اللہ کے رسول ﷺ نے امّت کو متنبہ کیا ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے مال دار لوگ صرف سیر و سیاحت اور تفریح کے لیے، متوسط طبقہ تجارت کے لیے، فقراء سوال کرنے کے لیے اور علماء نمود و نمائش کے لیے حج کریں گے۔ نیت کی درستی کے بعد صدق دل سے اپنے رب سے انتہائی عاجزی وانکساری سے اپنے

گناہوں پر ندامت و شرمندگی کا اظہار اور توبہ و استغفار بھی ضروری ہے۔ اپنے معاملات کی درستی بھی ضروری ہے۔

حضرت ہاجرہؑ نے پتتے ہوئے ریگستان میں اپنے رب کی رحمت کو طمع و گریہ و زاری کے ساتھ ایسا پکارا کہ آج تک امتِ مسلمہ اس رحمت سے سیراب ہو رہی ہے۔ امّت مسلمہ کے حج کا یہ اجتماع اتحاد اور یگانگت کی ایسی عظیم الشان معجزاتی نظیر ہے کہ لاکھوں انسانوں کا، خواہ وہ دنیا کے کسی خطے سے تعلق رکھتے ہوں، ایک ہی لباس میں ملبوس ہونا، ایک ہی رنگ کا لباس حتیٰ کہ پہننے کا انداز بھی، لاکھوں افراد کا چند گھنٹوں میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا، بہ یک وقت ان کا رکوع و سجود کرنا، خاص طور سے میدانِ عرفات میں تمام حجاج کرام کا ایک ہی وقت میں دعاؤں کا طلب کرنا، یہ ایسی تربیت ہے جو انسان کو روحانی معراج عطا کرتی ہے۔

سعادتِ حج بیت اللہ کے بعد لازم ہے کہ آپ اپنی سابقہ زندگی کو یک سر فراموش کر کے نئی زندگی کا آغاز کریں، ایسی زندگی جو خیر و فلاح کی ضامن ہو، ہر انفرادی اور اجتماعی قدم ملّی اتحاد، ملکی سالمیت، خوش حالی اور عالم اسلام کی سربلندی کا امین ہو۔ آں حضورﷺ کا خطبہ حجتہ الوداع ہمیں وہ درس دیتا ہے جس کی ضرورت امّت مسلمہ کو خاص کر اور دنیا کو عام طور پر اپنی ذاتی زندگی اور اجتماعی نظام کو ترقی دینے کے وقت پیش آسکتی ہے۔ آپﷺ نے جس بات کی سب سے پہلے نصیحت کی وہ انسان کے جان و مال کی حرمت ہے۔ آپﷺ نے نہایت زور دے کر کہا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذی الحج کے مہینے کی حرمت کا حکم دیا ہے وہ تمہیں ایک دوسرے کی جان و مال کی حرمت قائم رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ بلا سبب کسی کی جان و مال کے درپے نہ ہو بلکہ دوسروں کی جان و مال کے محافظ بنو تا کہ ہر شخص معاشرے میں امن و سکون کی زندگی بسر کرے اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق ملک کی ترقی میں شامل ہو۔ جب آپ کے پاس کسی کی امانت ہو تو اسے پوری دیانت داری کے ساتھ امانت دار کے سپرد کریں۔ آں حضورﷺ خود بھی امین تھے اور بہترین معاشرے کی تعمیر کے لیے یہ وصف

ناگزیر ہے۔لوگ اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے بلکہ مسلمان تو دوسرے کے حقوق کے بھی امین ہوا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے عفوودرگزر کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے امّت مسلمہ کو اپنی آپس کی رنجشیں ختم کرنے کا حکم دیا کیونکہ اگر آپس میں عفوودرگزر نہ ہوتو اس سے مملکت کا امن غارت ہوجاتا ہے اور لوگ چین کی زندگی بسر نہیں کرسکتے۔قتل عمد کو حرام قرار دے دیا ہے۔دنیا نے قتل سے متعلق بہت سے قوانین آزمائے یہاں تک کہ سزائے موت کو ختم ہی کردیا لیکن آج ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قتل عمد کے لیے قصاص کا قانون ہی واحد صحیح قانون ہے۔قرآن کہتا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ قصاص کی صورت میں قتل کے واقعات بہت کم ہوجاتے ہیں اور معاشرہ جرائم کی بھرمار سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حج کے موقع پر معاشرے کے انتہائی مظلوم طبقے یعنی عورت کے حقوق کی طرف توجہ دلائی ، یہ وہ ہستی ہے جو قدیم عہد سے دورِ جدید تک مظلوم چلی آرہی ہے۔یہ عورت ہی ہے کہ جس کی گود میں ہر زمانے میں ایک قوم،ایک نسل پرورش پاتی ہے۔وہی عورت جو ایک طرف مرد کی تسلّی کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف وہ اسکے گھر کا نظم چلاتی ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ان کے ساتھ بھلائی کا رویہ اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے زیرِنگیں رکھی گئی ہیں، وہ اپنے لیے خود کچھ نہیں کرسکتیں اور تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے''۔معاشرے میں عورت کے صحیح مقام کے تعین کے بغیر کوئی معاشرہ کیونکر ترقی کرسکتا ہے جب کہ وہ نسل نو کی دیکھ بھال کرنے والی ہو۔

آج کل ساری دنیا میں مختلف قسم کے تعصّبات نے طرح طرح کے فساد کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔حجتہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:''لوگو! بلاشبہ تم سب کا پروردگار ایک ہے اور بلاشبہ تم سب کے آباؤاجداد ایک تھے،تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔اللہ کی بارگاہ میں تم میں سے سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔''

عظمت صحابہؓ اور فضیلت اہلِ بیت اطہارؓ

علوم نبوی ﷺ کی ترویج و اشاعت اور دین کے پیغام کو عام کرنے میں ان مقدس ہستیوں نے اہم کردار ادا کیا۔تمام تعریفیں رب العالمین کو سزاوار ہیں جس نے کائنات کوتخلیق کیا اور انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے اور خصوصاً حضرت محمد ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر ہم پر احسان عظیم فرمایا۔محمد مصطفیٰ ﷺ جو خاتم النبیین اور شافع روز محشر ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:
''اور ہم نے ہی تمہارے ذکر کو بلند کیا''۔

آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے مطابق زندگی گزارنے میں ہی کامیابی ہے۔آپؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے خلق عظیم کی گواہی دی ہے:''آپ ﷺ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں''۔

آپؐ فخر موجودات ہیں، جس نے آپؐ سے محبت کی، گویا اس نے اللہ سے محبت کی، جس نے آپ کی اطاعت میں سر تسلیم خم کیا، گویا اس نے اللہ کی اطاعت کا فرض ادا کر دیا۔اسلامی معاشرے میں ہی اللہ رب العزت اور اس کے آخری رسول کا قرب حاصل ہوسکتا ہے، جو عقیدۂ ایمان پر زبان و دل سے عمل پیرا ہو اور رسول اکرم ﷺ کے اہل بیت طہارؓ اور اصحاب رسولؓ کی عظمت کو سمجھتے ہوئے ان کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھے۔

عظمتِ صحابہؓ:۔اصحاب رسول کو ایک جانب یہ اعزاز و خصوصیت حاصل رہی ہے کہ انہیں امام الانبیا ﷺ کی رفاقت و معاونت میسر آئی اور وہ قرآن کے اولین مخاطب بنے، جب کہ دوسری جانب خود خالق کائنات نے ان کے لیے اپنی رضا و خوشنودی کا اعلان کیا، کسی بندے کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائے۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:''وہ مہاجرین ،انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت لی نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے'' (سورۃ توبہ)۔مزید فرمایا

گیا: ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔'' (سورۃ المجادلہ)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میرے کسی صحابیؓ کو برا نہ کہنا کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص کوہِ اُحد کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا تب بھی ان کے ایک مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (صحیح بخاری)

فضیلت اہل بیتؓ :اہل بیت اطہارؓ اصحاب رسول ﷺ میں سے ہی ایک ایسی مقدس جماعت ہے جسے رسول اکرم ﷺ کے اہل خانہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قرب رسول کی وجہ سے شرف اور فضیلت کی بناء پر اہل بیتؓ نبی کریم ﷺ سے قریب ترین ہیں، ہر مسلمان کے لیے یہ لازم ہے کہ ان کے احترام توقیر اور محنت میں کمی نہ آنے دے۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور کردیا اور انہیں پاکیزہ فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے صاف ستھرا کردے۔ (سورۃ الاحزاب)

اہل بیتؓ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی ہے کہ ہر نماز میں ان پر صلوٰۃ (درود) مطلوب ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: ''اے اللہ! صلوٰۃ (درود) بھیج محمد پر اور آپ ﷺ کی ازواجؓ پر اور آپ کی اولاد پر'' (کتاب الانبیاء اور کتاب الدعوات)۔

امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت 23 کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی چادر میں لیا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور فرمادے اور انہیں صاف ستھرا کردے۔

ہم تمام مسلمان محبت، قدر و منزلت، الفت، اتباع اور اقتداء کے حوالے سے اہل بیت اطہارؓ سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو شرف اور عظمت انہیں بخشی ہے وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ سے تعلق و نسبت کی رو سے عطا ہوا ہے، بالکل اسی طرح ہم اصحاب

رسولؐ کی فضیلت کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہوئے ان کی قدرومنزلت کے معترف ہیں۔ اللہ پاک نے اپنے دین کی تکمیل فرمادی اور آپ ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیتے ہوئے اس باب کو ختم کردیا۔ قرآن حکیم میں ہے: ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں آخری ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔'' (سورۃ الاحزاب)

آپ کی تسلی وتشفی کے لیے بھی مالک الملک نے قرآن پاک میں فرمایا: ''بے شک ہم نے آپ ﷺ کو خیر کثیر عطا کی ہے، سو آپ ﷺ اپنے رب کی بڑائی بیان کرتے رہیں اور قربانی دیتے رہیں، بے شک آپ ﷺ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔'' (سورۃ الکوثر)

اللہ گواہ ہے کہ مسلمانوں کو اہل بیتؓ سے اسی طرح محبت ہے جس طرح تعلیم رسالت کی روشنی میں اصحاب رسول کو ان سے محبت تھی، ہر صاحب عقل ودانش مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ اہل بیتؓ سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کی عزت وتوقیر اسی طرح کی جائے جس طرح اس کا حق ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں عظمت صحابہؓ اور فضیلت اہل بیتؓ کو اس کے حق کے مطابق سمجھنے کی بصیرت عطا فرمائے۔ اہل ایمان کا اس آیت میں یہی وصف بیان فرمایا گیا ہے: ''اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے۔'' (سورۃ الحشر)



قرآن کریم: سرچشمۂ نور و ہدایت

یہ کتابِ مبین رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے عظیم معجزہ اور رُشد و ہدایت کا ابدی سرچشمہ ہے

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے روشنی اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنایا ہے۔ ایک مقام پر کتاب مبین کو ''نور'' سے بھی تعبیر کیا گیا۔ لفظ ''نور'' کو ظلمات (تاریکیوں) کے مقابلے میں لاکر اس کے معنی واضح کردیے گئے۔ اندھیرے یا تاریکیاں (ظلمات) وہ کیفیت ہے جس میں اردگرد کی چیزیں، راستے، منزل، رنگ اور ان سے پہنچنے والے فوائد اور نقصانات کی پہچان نہیں ہوسکتی، اس کے برعکس ''نور'' کے معنیٰ اس روشنی کے ہیں جو انسان کو موجودات کی پہچان کرواتی ہے اور انسانوں کے لیے زندگی کی سیدھی راہ میں مشعل ہدایت بنتی ہے، قرآن کریم وہ نور بصیرت ہے جو انسان کو کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ لفظ ''نور'' فکر و بصیرت اور علم و عقل کی وہ روشنی ہے جو کہ اپنے آپ کو سکھانے کے لیے کسی اور کی محتاج نہیں ہوتی، وہ خود روشن ہے اور دوسروں کو روشنی عطا کرتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم اپنے معانی واضح کرنے کے لیے کسی خارجی سہارے کا محتاج نہیں۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: ''اللہ مومنین کو ظلمات سے ''نور'' کی طرف لاتا ہے طاغوت لوگوں کو ''نور'' سے ظلمات کی طرف لے جاتا ہے۔''

سورۃ الانعام میں ارشاد ہے: ''اللہ نے ظلمات اور ''نور'' بھی پیدا کئے''۔ سورہ یونس میں ارشاد ہے: وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء (درخشاں) اور چاند کو ''نور'' بنایا۔ اسی طرح سورۂ نوح میں بھی چاند کو ایک ''نور'' قرار دیا اور سورج کو ایک چراغ قرار دیا۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہہ دیجیے کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں؟ یا کیا ظلمت اور ''نور'' یکساں ہیں۔ سورۃ المائدہ میں اس طرح ارشاد ہے: ''اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول ﷺ آچکا ہے وہ تمہارے لیے کتاب میں سے اس کا بڑا حصہ جسے تم چھپایا کرتے تھے کھول کر بیان کرتا ہے وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ''نور'' اور ایک واضح کتاب آچکی ہے اور اللہ اس کے

ذریعے سلامتی کے راستے پر ان لوگوں کی ہدایت کرتا ہے جو اس کی رضا پر چلنے والے ہوں، انہیں اپنے حکم سے تاریکیوں میں سے ''نور'' کی جانب نکالتا ہے اور انہیں صراط مستقیم (راہِ راست) پر لگا دیتا ہے۔ سورۃ الرعد اور سورۃ الفاطر میں بھی ارشاد ہے: ''کیا ظلمات و ''نور'' برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟''

سورۃ الزمر میں قیامت کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے۔ ''اور صور پھونکا جائے گا، جو کوئی بھی آسمانوں زمین میں ہے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔ سوائے اس کے جسے اللہ (بچانا) چاہے پھر وہ (صور) دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر (انجام پر) غور کرنے لگیں گے۔ زمین اپنے رب کے ''نور'' سے جگمگا اٹھے گی۔ کتاب رکھی جائے گی اور انبیاء اور شہداء (گواہ) لائے جائیں گے۔ ان لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

قرآن کریم کے لیے بالخصوص ''نور'' کا لفظ سورۃ ابراہیم میں یوں ارشاد ہے: ''الف لام را۔ ایک کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر ان کے رب کے حکم سے ''نور'' کی جانب طاقت ور لائق حمد کے راستے پر لائیں''۔

سورۃ الحدید میں رسول ﷺ کا تعارف اس طرح ہے: ''اور وہی ہے جس نے اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل کیں تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر ''نور'' کی جانب لے آئے۔ بلاشبہ اللہ تمہارے لیے مشفق و رحیم ہے''۔ سورۃ الطلاق میں ارشاد ہے: ''ایک (ایسا) رسول ﷺ جو اللہ کی واضح آیات تم پر پڑھتا رہتا ہے تا کہ جو ایمان لائیں اور اعمال صالح بجا لائیں وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی جانب لے آئے اور جو اسے خوب جاننے والا ہے''۔ اس سلسلے میں سورۃ النساء کا مطالعہ بھی توجہ طلب ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے بنی نوع انسان! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل محکم آ چکی ہے اور ہم نے تم پر واضح ''نور'' نازل کیا''۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا گیا: ''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ''نور'' کو اپنی پھونکوں

سے بجھادیں۔ اللہ کو اس کے علاوہ منظور نہیں کہ وہ اپنے ''نور'' کو پورا کرے (کمال تک پہنچادے) اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے''۔

سورۃ الحدید آیت 28 میں بھی کتاب اور ہدایت کو ''نور'' کا مفہوم عطا کیا گیا ہے، ارشاد ہوا: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ تو وہ تمہیں اپنی رحمت کا دہرا حصہ دے گا اور تمہارے لیے ایک ایسا ''نور'' قرار دے گا جس سے تم چلو پھرو گے تمہیں بخش دے گا، اللہ تو بڑا صاحب بخشش رحیم ہے''۔

سورۂ آل عمران آیت 164، سورۃ الحج آیت 8، سورۂ لقمان آیت 20 اور سورۃ الفاطر آیت 25 میں اللہ کی بھیجی ہوئی تمام آسمانی کتابوں کو ''کتاب منیر'' کہا گیا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ہماری کامیابی اور نجات اسی میں پوشیدہ ہے کہ ہم قرآن کریم جو کہ رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، اس کی روشنی سے استفادہ کریں جو انسان کو موجودات کی پہچان کرواتی اور انسانوں کے لیے زندگی کی سیدھی راہ میں مشعل ہدایت بنتی ہے تاکہ ہمارے ہر عمل سے غیر مسلموں پر یا ثابت ہو کہ قرآن کا لفظ ''نور'' فکرو بصیرت اور علم و عقل کی وہ روشنی ہے جو کہ اپنے آپ کو دکھانے کے لیے کسی کی محتاج نہیں۔ وہ خود روشن ہوتی ہے اور دوسروں کو ایسی روشنی عطا کرتی ہے جس میں خالق کے اختیارات، مخلوق کی پیدائش کے مقاصد، اردگرد کی چیزیں، راستے، منزل اور ان سے پہنچنے والے فوائد اور نقصانات کی پہچان ہوتی ہے، یہی ''نور'' انسانوں کی تعمیرِ کردار اس انداز سے کرنے میں معاون ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی خیر خواہ، پُرامن اور کار آمد ثابت ہوتا ہے۔



باپ کے مال میں وراثت کی تقسیم

سوال: ہمارے والد کا انتقال 1998ء میں اور ولدہ کا 1979ء میں ہوا۔ والد صاحب کے ورثاء میں ہم پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ والد صاحب کی سامان سے بھری ایک دوکان تھی جس میں پانچوں بھائیوں نے والد صاحب کے ساتھ مل کر کام کیا۔ تین بیٹوں کو والد صاحب نے وقتاً فوقتاً کاروبار چھوڑنے پر اپنے حساب سے پیسہ دے دیا کہ یہ کاروبار میں تمہارا حصہ ہے۔ انتقال کے وقت سامان اور نقد رقم ملا کر بارہ لاکھ نوے ہزار روپے تھی اور دو بیٹے ساتھ کام کررہے تھے۔ انتقال سے پہلے والد صاحب برملا کہا کرتے تھے کہ دوکان میں موجود تمام سامان میں، میرے دو حصے ہیں یعنی نصف مال میرا ہے، بیان کردہ صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے تقسیم کس طرح ہوگی؟ سید لیاقت علی: شاہ فیصل کالونی کراچی

جواب: باپ کی زندگی میں جو کاروبار تھا اور اس وقت جو بیٹے ساتھ مل کر کام کرتے تھے وہ مال میں شریک نہیں ہیں۔ تمام مال باپ کی ملکیت ہوتا ہے اور باپ کے انتقال کے بعد تمام وارثوں کا ہے۔ اُس میں جتنا اضافہ ہوگا وہ ورثاء کا ہوگا۔ اگرچہ کاروبار چلانے والے چند افراد ہوں اور باقی ورثاء عملی طور پر کام نہ کررہے ہوں۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: ترجمہ: ''اکثر کاشت کار اور دیگر (پیشوں سے وابستہ) لوگوں میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی فوت ہوجائے تو ان کی اولاد ترکے کو تقسیم کیے بغیر اسی طرح قائم رکھتی ہے۔ وہ اُس زمین میں کھیتی باڑی کرتے ہیں، خرید وفروخت، قرض کا لین دین اور دوسرے اُمور جاری رکھتے ہیں اور کبھی فوت ہونے والے کا بڑا بیٹا تمام کاموں کی نگرانی کرتا ہے اور چھوٹے اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، یہ سب ایک طرح سے غیر رسمی تفویض اختیار ہوتا ہے (یعنی وہاں کے لوگوں کا عرف یا عادت ہے)''۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ترجمہ: ''پس جب ان

کی سعی ایک ہے اور ہر ایک کی محنت کی کمائی جدا جدا نہ ہو تو سب جمع شدہ مال میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اگرچہ ذہنی وفکری عمل کی مقدار ایک جیسی نہ ہو نہ ہی یہ امتیاز ہو کہ کس کی رائے یا عمل زیادہ نفع بخش ہوا اور کس کا کم''۔ فتاوی خیریہ میں اسی طرح کا فتویٰ دیا گیا ہے اور ان میں سے اگر کسی نے اپنی ذات کے لیے کچھ خریدا تو وہ اُس کا مالک ہو جائے گا اور اگر اُس نے مشترک مال سے قیمت دے کر خریدا تھا تو اس میں شرکاء کا جو حصہ صرف ہوا اس کا وہ ضامن ہوگا۔" (جلد 6، ص 372)۔ صورتِ مسئولہ میں آپ کے والد مرحوم کے ترکے کی شرعی تقسیم: ترجمہ: ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے، النساء: 11، کے تحت ہوگی یعنی ہر بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا یعنی کل بارہ حصے ہوں گے، ان میں سے ہر بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔



مسجد کا ویران کرنا حرام ہے

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک کچی مسجد قائم ہے جو گاؤں کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے۔ کچھ صاحب خیر کے تعاون سے نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں لیکن قدیمی مسجد کی جگہ پختہ مسجد تعمیر کرنا ممکن نہیں بلکہ مسجد کے رقبے میں بنا سکتے ہیں؟۔

مولوی عبدالحکیم، ڈیرہ مراد جمالی، بلوچستان

جواب: جب پہلے سے ایک مسجد موجود ہے تو اُس کے قریب دوسری مسجد تعمیر کرنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ یہ سابق مسجد کی ویرانی کا سبب بنے گی اور قرآن مجید میں اس پر وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ترجمہ: ''اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔'' (سورۃ البقرہ: 144)۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق وقف مکمل ہوجانے کے بعد واقف (وقف کرنے والا) کو بھی وقف میں تبدیلی کا اختیار نہیں رہتا۔ علامہ نظام الدین لکھتے ہیں: ترجمہ: "وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں، (فتاویٰ عالم گیری جلد 2 ص: 490)"۔

پرانی مسجد کو کسی دوسرے استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں۔ مسجد بنانا یقیناً اجر وثواب کا باعث ہے لیکن اگر اُس سے پرانی مسجد ویران ہوتی ہو تو ہرگز نہیں بنانی چاہئے کہ مسجد کا ویران کرنا اور اُسے شہید کرنا حرام قطعی ہے۔ ایسی صورت میں ہمیشہ یہ تدبیر کرنی چاہئے کہ پہلے سے جو مسجد قائم ہے، حسب ضرورت ملحق زمین حاصل کر کے اسی کی توسیع کی جائے۔



نماز مومن کی معراج ہے

ارشاد رب ذوالجلال ہے: ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو
صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریٰت:56)

حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک جتنے بھی انبیاء کرام و رُسل دنیا میں تشریف لائے، انھوں نے اللہ جل جلالہ کی بندگی (عبادت) کو ضروری قرار دیا۔ عبادت دین کی روح اور جان ہوتی ہے۔ عبادت کے معنیٰ اطاعت و فرماں برداری کے ہیں یعنی بندہ اپنے معبود کے احکامات کی پاسداری کرے اور نبی اکرم ﷺ کی خوب صورت و جامع سیرت کے مطابق زندگی گزارے۔

سورہ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''اس کے سوا کسی کی عبادت و اطاعت نہ کرو۔''

عبادت کا حق یہ ہے کہ ہم ہر کام میں اپنے معبود کی رضا اور ناراضگی کو پیش نظر رکھیں۔ اللہ جل شانہ کے نزدیک تمام اعمال صالحہ میں نماز سب سے پسندیدہ عبادت ہے۔ نماز اور ایمان لازم و ملزوم ہیں۔ دین کی تکمیل ادائیگی نماز کے بغیر ناممکن ہے جس طرح بغیر ستون کے عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی عین اسی طرح نماز کے بغیر دین اسلام کی عمارت نہیں کھڑی ہوسکتی۔ چناں چہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز دین کا ستون ہے۔'' لہٰذا نماز سے غفلت مت کیجیے۔ نماز پنجگانہ کا اہتمام کیجیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ باغوں میں عزت سے رہیں گے۔'' (سورہ معارج آیت نمبر:35-34)

قرآن مجید میں نماز کے لیے لفظ ''صلوٰۃ'' استعمال ہوا ہے۔ لغت میں ''صلوٰۃ'' کے معنی ذکر اور فرماں برداری کے ہیں اور فقہاء کے نزدیک اس سے مراد معروف عبادت ''نماز'' ہے۔ نماز کی پانچ وقت ادائیگی ہر مسلمان، عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ نماز سے غفلت ایمان کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتی ہے۔

محبوب رب کریم سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کفر اور اسلام میں حد فاصل (نماز) ہے۔''

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور اپنے کریم رب کو راضی کر لیں پھر زندگی میں خوشیاں اور سکون نصیب ہوگا، رحمت خداوندی کی برسات ہوگی، روح کو تسکین ملے گی، تفکرات اور آلام کو دور کر دیا جائے گا اور اخروی زندگی میں بھی قرار نصیب ہوگا۔

نماز عملی عبادات میں سرفہرست ہے جو بظاہر ایک عمل ہے مگر حقیقتاً نماز میں ہی پورا دین سمٹا ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نماز دین کی اصل و اساس ہے۔ نماز قرب الٰہی کا موجب ہے۔ نماز پنجگانہ کی دائیگی کرنے والا اللہ عزوجل کی ذمہ داری پر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نماز کو قائم کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ جل شانہ نے میری امت پر نماز فرض کی ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا ہی سوال ہوگا۔''

رسول عربی ﷺ نے ایک مقام پر فرمایا کہ ''نمازی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔ نماز کے دوران معبود اور عبد کے درمیان سے حائل پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے افضل وقت نماز کا وقت ہے۔ نماز کا درجہ دین اسلام میں ایسا ہے جیسے سر کا درجہ بدن میں ہوتا ہے۔ نماز مسلمانوں کے لیے انمول دولت ہے۔ اس کے برعکس بے نمازی کے لیے سورۃ الماعون میں ارشاد ہوا کہ ''ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔''

یعنی ایسی نمازیں جن میں خشوع و خضوع نہ ہو وہ بندے کے لیے انفرادی طور پر محرومی اور اجتماعی طور پر وبال بن جاتی ہیں۔ اسی طرح سورۃ الماعون ہی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''پس ہلاکت و خرابی اور عذاب کی سختی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں کی حقیقت اور مفہوم سے بے خبر ہیں۔''

قرآن پاک کے واضح ارشادات کے باوجود ہماری یہ حالت ہے کہ ہم نمازیں قضا کرنے اور جلدی جلدی رکوع وسجود کو غلطی ہی نہیں گردانتے۔ نماز کی قدر ومنزلت ہمارے دلوں سے نکلتی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر میدان، ہر مقام پر تنزلی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس دن ہمیں نماز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور ہم نماز کو ہر کام پر مقدم رکھنے لگیں گے اور خلوص نیت، اخلاص اور خشوع وخضوع سے نمازوں کا اہتمام کرنے والے بن جائیں گے تو کامرانیاں ہمارا مقدر بن جائیں گی۔ مشکلات اور تکالیف کو ہمارے راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ اللہ عزوجل کے انوار وتجلیات کی بارش ہم پر برسنے لگے گی۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ''اللہ جل جلالہ کی طرف سے نمازی کے لیے تین خصوصی عزتیں ہیں: (۱) جب نمازی بارگاہ الٰہی میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سر سے آسمان تک رحمت الٰہی گھٹا بن جاتی ہے۔ (۲) نمازی پر انوار وتجلیات کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ (۳) فرشتے نمازی کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ ایک فرشتہ ندا لگاتا ہے کہ اے نمازی! اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے مخاطب ہے تو خدا کی قسم تو قیامت تک سلام نہ پھیرے۔''

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اہتمام نماز کے ساتھ اہتمام خشوع وخضوع پر بھی توجہ دیں اور اللہ عزوجل کے خوف، خشیت، ہیبت ورعب اور جود وکرم کو مدنظر رکھ کر نماز کے لیے کھڑے ہوں پھر دیکھیے کیسا سرور اور کیسی حلاوت نصیب ہوتی ہے؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ ہم سے ایسے لاتعلق ہو جاتے کہ جیسے کوئی شناسائی نہ ہو اور آپ نماز میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ پائے مبارک سوج جاتے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی کیفیت صلوٰۃ کا یہ عالم تھا کہ آپ قیام صلوٰۃ میں اس قدر روتے کہ آپ کے رونے کی آواز پچھلی صفوں تک جاتی۔ آپ نماز میں کانپتے اور دانت بجنے کی آواز سنائی دیتی اور خوف خداوندی سے چہرہ زردی مائل ہو جاتا تھا۔

ادائیگی نماز ہر حال میں لازم ہے سوائے اس کے کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز نہ کر جائے یا آپ مکمل طور پر ہوش وحواس کھو بیٹھیں۔ پابندی نماز کی بدولت نمازی پر رحمت الٰہی اور برکت الٰہی کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ نماز مشکل سے نکلنے کا واحد ذریعہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ ''جو لوگ کتاب (قرآن مجید) کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (ہم ان کو اجر دیں گے) ہم نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔'' (سورۃ الاعراف)

حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ جو مسلمان اپنی نمازوں کی حفاضت کرتا ہے، اللہ عزو جل اس کو پانچ برکتیں عطا فرماتے ہیں: اس سے رزق کی تنگی دور کر دی جاتی ہے، اس کو عذاب قبر نہیں ہوتا، قیامت کے روز اس کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا، پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا، نمازی بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ تمام مسلمان اللہ پاک کی رحمتوں، نعمتوں اور برکتوں سے فیض یاب ہونے والے بن جائیں۔ اہتمام نماز خشوع وخضوع کے ساتھ کرنے والے بن جائیں۔ نماز کے فرائض وواجبات، سنن اور مستحبات سیکھ کر نماز پڑھنے والے بن جائیں۔ (آمین)



مطالعہ قرآن کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرامؑ مبعوث فرمائے۔ ان انبیاء کرامؑ کو مختلف کتابیں اور صحیفے بھی عطا فرمائے۔ حضرت داؤدؑ کو زبور، حضرت موسیٰؑ کو تورات اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل عطا فرمائی۔ ہمارے آقا و مولا تاجدار کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کو جو کتاب عطا فرمائی وہ قرآن مجید ہے۔ یہ کتاب ''خاتم الکتب'' ہے اور اس کے بعد قیامت تک کسی اور آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کی تجلیات سے دنیا و آخرت دونوں جگمگا رہے ہیں۔ یہ کتاب ہر قسم کے شک وشبے سے بالاتر ہے۔

قرآن مجید نے امم سابقہ اور گزشتہ انبیاء کرامؑ کے حوالے سے بہت سے حالات و واقعات بیان کیے ہیں جن میں سے کئی ایک کا ذکر پہلی کتابوں میں سرے سے موجود ہی نہ تھا اور بعض کا ذکر پہلی کتب میں تھا لیکن وہ بھی متبدل اور تحریف شدہ تھا۔ قرآن مجید نے ان احوال و واقعات اور انبیاء کرامؑ کی تعلیمات و خدمات کو سندِ تصدیق عطا فرمائی، اس کے ساتھ یہ کتاب قیامت تک آنے والے احوال بھی منکشف کرتی ہے۔ یہ کتاب شفاء ہے جو دلوں کے روگ مٹا دیتی ہے اور اہل ایمان کے لیے مژدۂ رحمت بھی ہے۔ اس کی تلاوت سے گم راہوں کو ہدایت اور بیماروں کو شفا میسر آتی ہے۔ یہ ایسا ساتھی ہے جو کبھی بے وفائی نہیں کرتا۔ یہ ایسا ہم سفر ہے جو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ دنیا، قبر اور میدان محشر میں ہر جگہ بھرپور ساتھ دیتا ہے۔ قرآن پاک ایسا دوست ہے جس کی دوستی روز قیامت بھی کام آئے گی۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے پستی بلندی میں، جہالت علم میں، اندھیرا اجالے میں اور زوال عروج میں بدل جاتا ہے۔ یہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''قرآن مجید پڑھا کرو یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفاعت کرنے والا بن کر آئے گا۔'' (صحیح مسلم)

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اسے کم از کم قرآن مجید کی تلاوت کرنا آتی ہو یعنی وہ دیکھ کر پڑھ سکے اور اس کے علاوہ چند مختصر سورتیں بھی یاد کرنی چاہئیں تا کہ نماز میں پڑھ سکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب کوئی لشکر بھیجتے تو لوگوں سے قرآن مجید سنتے تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خاصی تعداد میں ایک لشکر بھیجنا چاہا تو ان سے قرآن مجید پڑھوایا۔ ہر فرد کو جتنا قرآن مجید آتا تھا اس سے پڑھوایا، (اس دوران) ایک نوعمر صحابی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا: اے فلاں! تمہیں کتنا قرآن مجید یاد ہے۔ اس نے کہا: مجھے اتنا اور اتنا اور سورۃ البقرہ یاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سورۃ البقرہ بھی یاد ہے؟ اس نے عرض کیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جاؤ تم ان سب کے امیر ہو''۔

معلوم ہوا کہ آقا ﷺ کے نزدیک قیادت کا معیار علم تھا اور بالخصوص ایسے شخص کو امیر لشکر بنایا جسے سب سے زیادہ قرآن کا علم تھا۔

احادیث مبارکہ میں قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں اکھٹے ہو کر دوسروں کو پڑھاتے ہیں ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت الٰہی انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنے پاس موجود مخلوق میں کرتا ہے۔''

یہ ہمارے مولیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ محض تلاوت قرآن مجید پر بھی اس نے ہمارے لیے اجر کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے: ''ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں اور الف لام میم یہ ایک نہیں بلکہ تین حروف ہیں''۔ گویا الم پڑھنے سے تیس نیکیاں ہمارے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ قیامت کے دن بھی قرآن پڑھنے والے کی شان نرالی ہوگی، اس کی عزت واحترام کا منظر خود تاجدار کائنات نے یوں بیان فرمایا:

''روز قیامت صاحب قرآن (قرآن پڑھنے والا اور عمل کرنے والا) آئے گا تو قرآن کہے گا: اے رب! اسے زیور پہنا، تو صاحب قرآن کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔

قرآن پھر کہے گا: اے میرے رب! اسے اور بھی پہنا تو اسے عزت و بزرگی کا لباس پہنا دیا جائے گا۔ پھر کہے گا: اے میرے مولا! اب اس سے راضی ہو جا (اس کی تمام خطائیں معاف کر دے) تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اسے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے زینے چڑھتا جا اور اللہ تعالیٰ ہر آیت کے بدلے میں اس کی نیکی بڑھاتا جائیگا۔'' (ترمذی: کتاب فضائل القرآن)

قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کو نفلی عبادات سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث مبارکہ ہے: حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: ''اے ابو ذر! اگر تو جا کر اللہ کی کتاب کی ایک آیت کسی کو سکھائے تو یہ تیرے لیے سو رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔'' (ابوداؤد، السنن، ۱: ۹۷، رقم: ۹۱۲)

جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ عظمت و برکت، ہدایت و نور اور شفاء و رحمت والی کتاب عطا فرمائی ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسے محبت سے پڑھیں، پڑھنا نہیں جانتے تو پڑھنا سیکھیں اور سیکھنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کریں۔ پڑھنا سیکھ لیں تو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھیں اور اسے سمجھ کر اس کے مطابق عمل کریں تا کہ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو سکے۔ یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔ اس مختصر زندگی کو غنیمت جانئے اور وقت نکال کر اس عظیم کام کا آغاز آج ہی سے کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



اخلاص اور اس کے ثمرات

انسان کی پیدائش اور اس دنیا میں آنے کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت میں جان اُس وقت پڑتی ہے جب وہ عمل ''اخلاص'' کے ساتھ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ترجمہ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے! بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہے۔'' (الانعام:162)

چنانچہ اخلاص تمام اعمال کی روح ہے اور وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو اُس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔ ہر انسان کا بنیادی مطمع نظر یہی ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کی رضا حاصل کرے اور جنت کا داخلہ اس کو نصیب ہو۔ اس مقصد کے لیے اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال کا حسن معتبر ہوتا ہے نہ کہ محض کثرت۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جس نے موت اور زندگی کو (اس لیے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔'' (الملک:2)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعمال کا حُسن جانچنے کا تذکرہ کیا ہے نہ کہ کثرت کا۔ مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ میں لفظ ''احسن عملا'' کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے وہ عمل مراد ہے جو خالص ہو اور شریعت کے مطابق ہو۔ اسی آیت کریمہ کے پیش نظر علماء و محققین نے اعمال صالحہ کی قبولیت کے لیے دو شرائط ذکر کی ہیں: اخلاص یعنی وہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ہو اور اسی کو مطمع نظر بنا کر کیا جائے۔ ۲۔ اتباع سنت یعنی وہ عمل قرآن و سنت کی تعلیمات کے موافق ہو اور بدعت یا کسی اور طرح سے خلاف شرع نہ ہو۔

علمائے کرام نے اخلاص کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مختلف طریقوں سے اس کی وضاحت کی ہے تاکہ ہر پہلو سے بات مکمل ہو جائے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔ ان میں

سے بعض نے کہا کہ اطاعت میں صرف اللہ تعالیٰ کو مقصود بنانا اخلاص ہے۔ بعض نے کہا کہ عمل اس انداز سے کرنا کہ اُسمیں نہ تو مخلوق کی واہ واہ یا مذمت پیش نظر ہو اور نہ ہی خود وہ کام کرنے والا شخص اس پر اترا رہا ہو۔ بعض کے نزدیک انسان کے اعمال میں اُس کا ظاہر و باطن باہم موافق ہو، یہ اخلاص ہے۔ بعض نے فرمایا: اپنے اعمال پر صرف اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہو۔

ایک حدیث مبارکہ میں خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے متقی، مخلوق سے مستغنی اور اخفا پسند بندے سے محبت رکھتے ہیں۔'' (مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں تین صفات والے بندے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب قرار دیا ہے: متقی: وہ بندہ جو ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہو اور اس کی معصیت سے بچتا ہو۔ الغنی: وہ بندہ جو لوگوں کے مال و جاہ سے کوئی غرض اور کوئی حرص و مفاد وابستہ نہ رکھتا ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے فقر و حاجت کا اظہار کرتا ہو، وہ مخلوق سے استغنا برتتا ہو اور اللہ کے سامنے خود کو محتاج بنا کر رکھتا ہو۔ الخفی: وہ بندہ جو اپنے نیک اعمال بھی مخلوق کے دکھاوے سے بچنے کے لیے چھپ کر کرتا ہو اور اگر کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اس کو بھی چھپاتا ہو اور اس پر خوب توبہ واستغفار کرتا ہو کیوں کہ اپنے گناہوں کا بندوں کے سامنے اظہار بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اخلاص سے خالی عمل کرنے والے شخص سے کہہ دو کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو نہ تھکائے، کیوں کہ بغیر اخلاص کے عمل کرنے والے کی مثال اُس مسافر کی سی ہے جو اپنے سفری سامان کی جگہ مٹی سے اپنی چادر بھر رہا ہو کیوں کہ اس طرح وہ خود کو فضول کام میں تھکا رہا ہے، جس میں اُسے کوئی نفع نہیں ہے۔''

امام ابن کثیر دمشقیؒ فرماتے ہیں: تم نیت کی درستی اور اس کی حقیقت اچھی طرح سیکھ لو کیوں کہ یہ عمل سے زیادہ طاقت ور ہے اور یہ نیت بسا اوقات انسان کو اتنی بلندی تک

پہنچا دیتی ہے جہاں تک عمل نہیں پہنچا سکتا۔

بعض اسلاف سے منقول ہے، وہ فرماتے تھے: میرا دل یوں چاہتا ہے کہ مجھے اور کوئی مصروفیت نہ ہو تو میں لوگوں کو صرف نیت کی تعلیم دینا شروع کر دوں کیوں کہ بہت سے لوگ اس کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے اپنے بڑے بڑے اعمال ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ''ہر وہ عمل جسے میں لوگوں کے سامنے ظاہر کر بیٹھتا ہوں تو پھر میں اسے اپنے اعمال کے شمار میں نہیں لاتا کیوں کہ ہم جیسوں سے اُس عمل کو اخلاص سے ادا کرنا اور باقی رکھنا مشکل ہے جسے لوگوں نے دیکھ لیا ہو۔''

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے عمل کو ہی ترک کر دیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دکھانے کی نیت سے نیک عمل نہ کیا جائے۔ اسی طرح اگر قصد وارادے کے باوجود لوگ آپ کو عمل کرتا دیکھ لیں یا وہ عمل لوگوں پر ظاہر ہو جائے تو یہ چیز اخلاص کے منافی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات لوگوں کو عمل پر ابھارنے کی نیت سے اگر کوئی عمل ظاہر کر دیا جائے تو اس میں بھی مزید اجر کی امید ہے۔ پھر یہ بات اُن اعمال کے لیے ہے جو اخفا کے ساتھ کرنا افضل ہیں ورنہ جو اعمال ہیں ہی ایسے کہ وہ اجتماعی شکل میں کئے جاتے ہیں تو اُن کو چھپا کر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے مثلاً نماز با جماعت ادا کرنا، جہاد کرنا اور تعلیم و تدریس وغیرہ۔

اب ہم اُن اعمال کے بارے میں جنہیں انسان بکثرت بجالاتا ہے، اخلاص کی کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں۔ اولاً تو اپنے ہر نیک عمل میں اپنی نیت کو ٹٹولا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا میں وہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں یا کوئی اور فاسد غرض اس کا محرک ہے؟ یوں سب سے پہلے اپنی نیت میں اخلاص پیدا کیا جائے۔



وضو میں اخلاص

وضو ایک ایسا عمل ہے جس سے عمومی طور پر انسان کو پانچ وقت کی نمازوں میں واسطہ پڑتا ہے، اب وہ عمل پورے اخلاص اور اس بات کو ذہن میں حاضر رکھ کر کیا جائے کہ یہ عمل میرے لیے اجر وثواب کا باعث ہے اور میں اسے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔ اسی طرح اذان کا جواب دینے میں اخلاص، نماز میں اخلاص، روزوں میں اخلاص زکوٰۃ وصدقات میں اخلاص، توبہ میں اخلاص، اللہ تعالیٰ کی خشیت سے رونے اور گریہ وزاری کرنے میں اخلاص، باپردہ عورت کے لیے پردہ کرنے میں اخلاص یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اتباع شریعت کی نیت کرنا ضروری ہے، ورنہ تو وہ محض ایک معاشرتی رسم بن کر رہ جائے گی۔ اس حوالے سے بعض احادیث کا مطالعہ کرنا ضروری ہے مثلاً صدقات کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''وہ اشخاص جن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے کا اعزاز عطا فرمائیں گے اُن میں ایک وہ آدمی ہوگا جس نے صدقہ اس خفیہ انداز سے کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا کیا خرچ کیا ہے؟'' اسی طرح حدیث مبارکہ میں اُس شخص کا تذکرہ بھی ہے جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا اور اس کے خوف وخشیت سے وہ گریہ وزاری کرنے لگا تو اُسے بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔ (بخاری شریف)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے یہ حدیث منقول ہے کہ ''جس شخص نے ''لا الہ الا اللہ'' اخلاص قلب سے کہا وہ جنت میں داخل ہوگا'' (المناقب للکروری)۔ الغرض اس موضوع پر بہت سی احادیث ہیں، ان کا خلاصہ دیکھنا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھنا چاہیے: ''(اے نبی!) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ پس آپ اللہ کی عبادت کیجیے اُس عبادت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔'' (سورۃ الزمر: 2)

قرآن وسنت میں اخلاص سے کی گئی عبادات اور نیک اعمال پر بہت ہی عمدہ اور دنیا وآخرت میں مفید ثمرات وفوائد کی خوش خبری دی گئی ہے، چند فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

☆ آخرت میں مخلصین کو بلند درجات نصیب ہوں گے۔
☆ دنیا میں مخلصین کو گمراہی سے بچالیا جاتا ہے۔
☆ مخلصین عبادت گزاروں کے نور ہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان کا ظاہر و باطن نور ہدایت سے روشن ہو جاتا ہے۔
☆ زمین وآسمان کی مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس بندے سے محبت کرتی ہے۔
☆ دنیاوی مصائب میں اُن کے لیے آسانی کی راہ پیدا کر دی جاتی ہے۔
☆ دل کو اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے۔
☆ مخلصین کو پاکیزہ صحبت میسر آتی ہے۔
☆ مصائب دنیوی جس قدر بھی شدید ہو جائیں، اُن کو صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔
☆ قبر کی تنہائی اور وحشت میں اُن کو اُنسیت اور انعامات ربانی سے سرور وفرحت پہنچتی ہے۔
☆ اُن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور یوں وہ مستجاب الدعوات بن کر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اخلاص کی حقیقت اور اس کا نور نصیب فرمائے، ہمیں اپنے مخلص بندوں کی جماعت میں شامل فرمائے اور اپنی رضا والی موت نصیب فرمائے، آمین۔



حصولِ علم: ایک اہم اسلامی فریضہ

دینِ اسلام میں معاشرے کے ہر فرد پر حصول علم کو لازم قرار دیا گیا ہے
علم اور تعلیم کی بدولت بنی نوع آدم کو تمام مخلوق پر عزت وعظمت عطا کی گئی

''علم اور تعلیم'' عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ ''سورۃ الجمعہ'' میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور وہ (حضرت محمد ﷺ) انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔ علم کے لغوی معنی جاننا، سمجھنا اور معلومات حاصل کرنا ہے چنانچہ کسی بھی چیز کے بارے میں جاننا اور معلومات حاصل کرنا علم کہلاتا ہے۔ اصطلاع شریعت میں اچھائی اور برائی کو جاننا، برائی سے بچنا اور نیکی کی طرف توجہ مبذول کرنا علم کہلاتا ہے۔ علم کی بدولت انسان کے اندر خوف خدا، معرفتِ الٰہی اور معرفتِ کائنات کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں: ''بے علم نتواں خدا را شناخت'' کہ جاہل انسان تو اپنے خالق حقیقی کو بھی پہچان نہیں سکتا۔

علم ہی کے ذریعے معاشرے میں امن وامان، اخوت، رواداری اور عدل وانصاف قائم ہوتا ہے۔ علم ہی کی وجہ سے انسان دنیا کی دیگر مخلوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم ہی کے ذریعے قوموں کو سربلندی عطا فرماتا ہے۔ انسان کو علم و دانش، عقل وفہم کی بناء پر کائنات میں اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک سو سے زیادہ آیات ایسی ہیں جن میں لفظ علم واضح طور پر موجود ہے اور ان میں علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جبکہ سائنسی علوم میں کائنات کی معرفت اور مظاہر قدرت کے متعلق غور وفکر اور مشاہدے کا ذکر کم وبیش سات سو آیات میں ملتا ہے۔

گویا کہ قرآن مجید کا آٹھواں حصہ علم پر مشتمل ہے۔ علامہ طعطاوی جوہری نے تفسیر ''طعطاوی'' میں جدید علوم، سائنسی علوم کا ماخذ قرآن حکیم کو قرار دیا ہے اور اس دعوے کو برحق قرار دیا ہے کہ قرآن حکیم قیامت تک آنے والے جدید علوم کا گہوارہ اور مرکز ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ علماء بنی نوع انسان کو ہدایت کرتے رہتے ہیں کہ قرآن حکیم کو مع ترجمہ وتفسیر پڑھنا چاہیے تا کہ قرآن حکیم سے استفادہ کر کے نئے علوم کے رائج کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے اور بنی نوع انسان کو زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے حصول علم کو مرد اور عورت دونوں پر لازم قرار دیا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا۔ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

اسلام کے نزدیک علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے اور علم اسکی صفت ہے۔ اسلام نے علم کو انسان میں علیٰ فضیلت کا سبب قرار دیا ہے۔ اس علم کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں پر برتری دے کر اپنا خلیفہ بنایا اور اُسے علم سے سرفراز فرمایا۔ ''سورۃ البقرہ'' میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کی حقیقت کا علم اور ان کے نام سکھائے''۔ ''سورۃ الفاطر'' میں ارشاد ربانی ہے: ''بے شک اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو اپنی وحدانیت کا گواہ بنایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ گواہی فرشتے اور اہل علم بھی دیتے ہیں''۔ اس آیت سے نکتہ واضح ہوتا ہے کہ اہل علم کی گواہی فرشتوں کی مثل ہے۔

''سورۃ یوسف'' میں ارشاد ربانی ہے: ''ہر صاحب علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا صاحب علم موجود ہے''۔ اللہ رب العالمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم کی معرفت سے سرفراز فرمایا تھا جس کے ذریعے وہ توحید الٰہی کی طرف بُلاتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر الرؤیا کی نعمت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ بادشاہ اور تخت وتاج کے مالک بنے۔ ''سورۃ یوسف'' میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام محض اپنی عصمت وعفت کے سبب زلیخا کے حکم کی اطاعت وفرماں برداری کرنے سے دور رہے۔ ایسے حالات کے لیے سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے:

ایسے حکم کی بجا آوری جائز نہیں ہے، جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

یہاں غور و فکر کرنے کے لیے ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ صفت حُسن میں یوسف علیہ السلام اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے لیکن جو طاقت اللہ تعالیٰ نے ''علم'' کو عطا فرمائی اس کا پاسنگ بھی ''حسن'' کو نہیں ملا۔ جب تک یوسف علیہ السلام علم کی نعمت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے تو آپ کی قدر و قیمت چند درہموں کی تھی۔ قرآن مجید نے خوب کہا ہے: ''اور انہوں نے یوسف کو چند درہموں کے بدلے بیچ ڈالا (جب کہ عزیز مصر نے یوسفؑ کو آپ کے وزن کے برابر ریشم اور مشک اور چاندی کے بدلے خریدا) لیکن جب یوسف علیہ السلام علم کی نعمت سے سرفراز کیے گئے تو نہ صرف جیل خانے سے باعزت رہائی پائی بلکہ تخت و تاج کے مالک بھی بن گئے''۔ معلوم ہوا کہ علم میں بہت زیادہ طاقت ہے، جس کے پاس جتنا علم ہے وہ اُتنا ہی دنیا میں زیادہ طاقت ور ہے، جو زیادہ طاقت ور ہے وہی اپنی بات منوانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علم میں سب سے زیادہ طاقت ہے۔ موجودہ زمانے میں جدید ٹیکنالوجی اور نت نئی ایجادات اسی علم کی بدولت معرض وجود میں آئی ہیں۔ یہ سارے کا سارا علم ہی تو ہے۔ غرض یہ مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، عرش سے فرش تک خدائی علم کی درس گاہ ہے اور تمام کائنات عالم اسی درس گاہ سے مستفیض ہو رہی ہے۔

تمام انبیاء علیہ السلام تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ علم کے پھیلانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ سورۃ الجمعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر (بہت بڑا) احسان کیا کہ خود اُن ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ اس کی آیات پڑھتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر چہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔'' مذکورہ آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا جہاں کے لیے معلم بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ اور آپ نے ساری زندگی کتاب و سنت کی تعلیم دی۔ جس نے ان دونوں پر عمل کیا اُس نے دنیا و آخرت

کی فلاح حاصل کرلی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس نے جہانوں میں نقصان اٹھایا۔جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:’’میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں،تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے جب تک ان دونوں کو یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی تھامے رہو گے‘‘۔یعنی ان دونوں پر عمل پیرا رہو گے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال و دولت۔بے شک مال عنقریب ختم ہو جائے گا لیکن علم ہمیشہ رہنے والی لازوال نعمت ہے۔

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ مال کی نگرانی کرنی پڑتی ہے جبکہ علم نگہبان ہوتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔علم حاکم ہے اور مالِ محکوم۔ مال دار دنیائے فانی سے چل بسے،لیکن علم والے زندہ ہیں اور رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے۔ بے شک ان کے جسم مٹ گئے مگر ان کے کارنامے کبھی مٹنے والے نہیں۔کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے:’’صاحب علم اپنی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے جب کہ اُس کی ہڈیاں اور گوشت مٹی کے ساتھ خاکستر ہو چکا ہوتا ہے اور جاہل انسان مُردہ ہے حالاں کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہے۔وہ اپنے آپ کو زندہ لوگوں میں شمار کرتا ہے،حالاں کہ وہ معدوم ہے۔‘‘

حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد ہے:’’سینے میں علم کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ کی‘‘۔مشہور اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹوں کو علم حاصل کرنے کی نصیحت کی اور کہا:’’اگر تم مال دار ہوئے تو علم تمہارا جمال ہوگا اور غریب ہو گئے تو علم تمہارے لیے دولت ہوگی۔‘‘

’’مقاماتِ حریری‘‘ کے مصنف علامہ حریری نے عالم اور جاہل کا یوں نقشہ کھینچا ہے:’’یتیم وہ نہیں جس کے ماں باپ فوت ہو جائیں بلکہ یتیم وہ ہے جو علم و ادب سے محروم ہے۔خوب صورت وہ نہیں جس نے زرق برق کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہوں بلکہ خوب صورت وہ ہے جو علم و ادب کی نعمت سے معمور ہے‘‘۔

علم کی اہمیت تو سید الانبیاءﷺ کے اس فرمان سے واضح ہو جاتی ہے: ''ماں کی گود سے گور تک علم حاصل کیجئے''۔ گویا علم حاصل کرنے کے لیے عمر کی کوئی حد نہیں۔

''طبرانی'' اور ''دار قطنی'' میں ہے کہ ایک صحابیہؓ اپنے بیٹے کو قرآن پاک حفظ کرانے کے لیے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی درس گاہ میں لے گئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے انہیں قرآن پاک حفظ کرانا شروع کیا۔ کچھ عرصے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے شاگرد سے قرآن سننا چاہا تو انہوں نے جو قرآن حفظ کرلیا تھا وہ تو سنا دیا اور اس سے آگے بھی سنانے لگے اور جس مقام سے کہا، وہاں سے بھی سنانا شروع کیا تو استادِ محترم کو تعجب ہوا کہ جو میں نے حفظ نہیں کرایا یہ وہاں سے بھی سنا رہا ہے، آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ چنانچہ استادِ محترم نے شاگرد کی والدہ سے دریافت کیا تو انہوں نے اپنا معمول بتایا کہ میں شادی سے پہلے اور بعد صبح کام شروع کرنے سے پہلے ایک پارہ قرآن حکیم کا پڑھتی ہوں اور یہ بچہ میرا دودھ بھی پیتا رہا ہے۔ میرے پاس میرے بستر پر رہا ہے، جب میں تلاوت کرتی تھی تو ممکن ہے میری صحبت اور میرے عمل اور میرے دودھ کا اس پر اتنا گہرا اثر ہوا ہو کہ میں پڑھتی رہی اور اسے قرآن حفظ ہو گیا۔ یہ واقعہ ایک سچی حقیقت ہے۔

حضرت صفوان بن عسالؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہﷺ کے پاس حاضر ہوا، آپ اس وقت چادر سے ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہﷺ! میں جستجوئے علم میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور اکرمﷺ نے فرمایا: مرحباء اے طالب علم! فرشتے طالب علم کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں۔ ایک پر ایک جمع ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ علم کی محبت میں سب سے نچلے آسمان تک چلے آتے ہیں۔

علم زندگی میں بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور مرنے کے بعد بھی کام آتا ہے۔ موت کے ساتھ آدمی کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ ''صدقہ جاریہ، علم جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوم پانچ ہزار سال پرانی ہو یا اس نے بیسویں صدی میں آنکھ کھولی ہو، اسکی ترقی کا صرف اور صرف ایک اصول ہے اور اس اصول کا نام ''علم'' ہے۔ جس نے علم حاصل کرلیا وہ دنیا جہاں میں ترقی پا گیا، جس نے علم کو کھو دیا وہ ضائع ہو گیا اور محکوم بن کر رہ گیا۔

دنیا جہاں میں قلم اور علم نہیں مٹتا، کتاب نہیں مرتی، دنیا میں ہر نپولین، ہر چرڈ کو زوال ہے لیکن سقراط، ارسطو، ابن سینا، کندی، فارابی آج بھی زندہ ہیں۔ جید علمائے حق، محققین کے ریسرچ کر کے بنائے ہوئے نظریے اور ان نظریوں کی کوکھ سے جنم لی ہوئی قومیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ سکندر اعظم کا یونان آج یورپ کا گاؤں بن چکا ہے لیکن ارسطو کا یونان، ڈھائی ہزار سال بعد بھی مغرب سے مشرق اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی حکمرانی میں ایک انچ کمی نہیں آئی۔ یہ ہے علم کی طاقت اور یہ ہے علم کی اہمیت وفضیلت۔ آج بھی ہم علمی میدان میں ریسرچ کو حقیقی معنوں میں رواج دے کر کام کریں تو ہم بہت جلد ترقی یافتہ ملکوں میں نمایاں مقام حاصل کر سکتے ہیں۔



اسلام میں ''والدین'' کا مقام اور اُن کا ادب واحترام

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں ماں باپ کی خدمت واطاعت اور اُن سے حسنِ سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

اسلام میں والدین کے حقوق کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ ماں باپ کا ادب واحترام دینی اور معاشرتی فریضہ ہے۔ والدین میں ماں کو زیادہ عزت وعظمت اور ادب واحترام کا مستحق گردانا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے''۔ ماں، عظمت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خاصہ (معافی ودرگزر کرنا) اپنی مخلوق میں کسی کو دی ہے تو وہ ماں ہے۔ ایک ماں ہی ایسی ہستی ہے کہ بڑے سے بڑے قصور کے بعد بھی اس کے پاؤں میں اولاد گر جائے اور معافی طلب کرے تو ماں باوجود شدید ناراض ہونے کے اپنی ناراضی کو بھول جاتی ہے اور فوراً اپنے لختِ جگر کو آغوش محبت میں لے لیتی ہے۔ خطا کے بعد عطا کی اس سے بہترین تصویر کائنات میں پیش نہیں کی جاسکتی مگر آج کی اولاد کو ماں کی نافرمانی اور حکم عدولی سے ہی فرصت نہیں۔ قدم قدم پر ماں کا دل دکھایا جاتا ہے، جھڑک دیا جاتا ہے اور اونچی آواز اور کرخت دار لہجے میں گفتگو کرنا تو کوئی عیب ہی نہیں رہا۔ ماں لاکھ کہتی رہ جائے کہ بیٹا فلاں سے دوستی مت کرو، فلاں کے ساتھ مت اٹھا بیٹھا کرو مگر اولاد ہے جو ٹس سے مس ہو کر دکھادے بلکہ ماں کو غصیلی آواز میں ڈانٹ دیا جاتا ہے کہ آپ کو اس کے سوا آتا ہی کیا ہے کہ فلاں سے نہیں ملو، فلاں سے بات نہیں کرو، فلاں سے دوستی نہیں کرو! بس میرے ہی دوست آپ کو برے لگتے ہیں جو ہر وقت ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتی ہو!

لاکھوں میں کوئی کوئی ہی ہوتا ہے جو ماں کی نصیحت اور حکم کی لاج رکھتا ہو۔ ہر کسی کے پاس زبان کا دھاری دار خنجر ہے جو زہر آلود جملوں میں بجھ کر سامنے کھڑی ماں کے سینے (جو آسمانوں کی وسعتوں سے بھی زیادہ کشادہ ہے) کے آر پار ہو جاتا ہے، ماں بے چاری اپنا

سامنہ لے کر رہ جاتی ہے اور سوچوں میں گم ہو کر اندر ہی پگھلنا شروع ہو جاتی ہے کہ کیسی اولاد ہے جو ہماری کسی بھی بات کا ذرا سا بھی شرم لحاظ نہیں کرتی۔ ماں کی نافرمانی خطرناک جرائم میں شمار ہوتی ہے چنانچہ کائنات میں ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' کا قانون فطرت اس جرم عظیم کے لیے ایک اٹل حقیقت کے ساتھ روشن ہے۔ تاریخ انسانی ایسے نافرمانوں کے عبرت ناک انجام سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ماں باپ کو کسی بھی طرح ستایا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ماں باپ کی رضا مندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی ماں باپ کی ناراضی میں ہے۔''

یعنی ماں باپ راضی ہوں گے تو اللہ بھی راضی ہوگا اور اگر ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''اے موسیٰ! اپنے والدین کی عزت کرلو، بے شک جو اپنے والدین کی عزت کرتا ہے، میں اس کی عمر بڑھا دیتا ہوں اور اسے ایسا بیٹا عطا کرتا ہوں جو اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے میں اسکی عمر گھٹا دیتا ہوں اور ایسا بیٹا دیتا ہوں جو اس کی نافرمانی کرتا ہے''۔

حضرت عوام بن حوشب فرماتے ہیں: ''میں ایک مرتبہ ایک محلے میں گیا اس کے ایک جانب قبرستان تھا، اس میں سے قبر پھٹی اور ایک آدمی نکلا جس کا سر گدھے اور باقی جسم انسان کا تھا، وہ تین مرتبہ گدھے کی طرح رینکا پھر دوبارہ قبر اس پر بند ہوگئی۔ ایک بڑھیا وہاں اُون کات رہی تھی اس بڑھیا کے متعلق ایک عورت نے کہا: تم اس بڑھیا کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! اسے کیا ہوا؟ عورت نے جواب دیا: یہ اُس کی ماں ہے۔ میں نے پوچھا: اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ وہ عورت کہنے لگی: یہ (دن بھر) شراب پیا کرتا تھا اور جب شام کو لوٹتا تھا تو اُس کی ماں اُس سے کہتی تھی: میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈر، تو کب تک یہ شراب پیتا رہے گا؟ تو وہ شراب نوشی سے رک جانے کی بجائے گستاخانہ جواب دیتے ہوئے کہتا: کیا ہر وقت گدھے کی طرح چیختی رہتی ہے؟ اس عورت نے کہا: جب سے اس (گستاخ بیٹے) کا انتقال ہوا ہے، روزانہ عصر کے بعد اس کی قبر پھٹتی ہے اور وہ تین مرتبہ باہر نکل کر گدھے کی

طرح چیختا ہے پھر قبر میں چلا جاتا ہے پھر اس کی قبر بند ہو جاتی ہے''۔ دیکھا آپ نے ماں باپ کی گستاخی کرنے والے کی آخرت کیسے تباہ ہوئی؟ کہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس بد بخت کو اسی عذاب میں مبتلا کر دیا جس سے یہ اپنی ماں کو تشبیہ دیا کرتا تھا۔ خوب ڈرنے کا مقام ہے میرے عزیزو! ماں باپ کو ستانا بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں احسان جتانے والا، والدین کو ستانے والا اور شراب کی عادت رکھنے والا داخل نہ ہوگا۔'' اس حدیث پر خوب غور کیجیے اور پیارے نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس گستاخ شخص کے عبرت ناک انجام پر بھی غور کیجیے کہ اس میں والدین کو ستانے اور شراب کی عادت رکھنے کی بری عادت پائی جاتی تھی یا نہیں؟ چنانچہ قبر میں جاتے ہی دردناک عذاب میں گرفتار ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: جس نے اپنے والدین کو تیز نگاہ سے دیکھا اس نے ان کے ساتھ نیک سلوک نہیں کیا اور جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس سے والدین کو غم پہنچا تو اس نے ان کی حق تلفی کی۔ میرے عزیزو! ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اپنے اعضاء و جوارح سے بھی فرماں برداری اور انکساری کو ظاہر کرنا چاہیے، اپنی رفتار و گفتار اور کردار و انداز سے کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے ماں باپ کو ایذا پہنچے۔



قابل رشک بندۂ مومن اور ارشادِ نبوی ﷺ

حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو ہلکا پھلکا ہو (دنیا کے بکھیڑوں میں بہت زیادہ مشغول نہ ہو)، نماز کا انتہائی شوقین ہو، ربّ ذوالجلال کی عبادت نہایت خشوع وخضوع سے کرتا ہو، تنہائیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہتا ہو، نیز عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو، اس کی طرف انگلیاں نہ اٹھتی ہوں، بقدر ضرورت اس کے پاس رزق ہو اور وہ اسی پر صبر کیا کرتا ہو، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: موت ایسے شخص کو جلد اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، اس پر رونے والے کم ہی ہوتے ہیں اور وہ تھوڑا بہت ہی ترکہ چھوڑتا ہے''۔ (مسند احمد)

درج بالا روایت میں نبی کریم ﷺ نے نہایت بہترین اور قابل رشک زندگی گزارنے والے مومن کے سات اوصاف ذکر فرمائے ہیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ موت کے بعد اسے اللہ ربّ العزت کی رضا اور جنت کی نعمتیں میّسر آجائیں تو اسے چاہیے کہ درج ذیل اوصاف کو اپنانے کی کوشش کرے۔(۱) قابل رشک زندگی گزارنے والے مومن کی پہلی خوبی یہ ہے کہ وہ دنیا میں بہت زیادہ مصروف نہ ہو بلکہ دنیا میں بقدر ضرورت دل چسپی لیتا ہو کیوں کہ جو شخص جتنا کم اور مختصر کاروبار رکھے گا اور چھوٹا موٹا کام کاج کر کے اپنی ضرورت پوری کرے گا وہ اتنا ہی تفکرات اور ذہنی الجھنوں سے محفوظ رہے گا۔ نبی کریم ﷺ اطمینان وسکون سے بھرپور اس زندگی کو قابل رشک بتا رہے ہیں جس میں انسان بہت زیادہ دنیوی بکھیڑوں میں مبتلا نہ ہو، تفکرات اور الجھنوں سے محفوظ رہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہو۔ (۲) قابل رشک زندگی گزارنے والے مومن کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ نماز کا بہت رسیا ہو، فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ سنت ونوافل کو بھی نہ چھوڑتا ہو کیوں کہ نماز آقائے دو

جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور فرائض اسلام میں سب سے اہم فریضہ ہے۔ بندہ نماز کے دوران اپنے رب سے مناجات اور سرگوشی میں مصروف ہوتا ہے اور ایک سچے عاشق کے لیے اپنے محبوب سے ہم کلام ہونے سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ آج کل نماز سے نہایت غفلت برتی جارہی ہے، عوام الناس کا کیا کہنا، دین دار لوگ بھی سنت ونوافل نیز جماعت کی پابندی کا خیال نہیں کرتے، قیامت کے روز سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا اور فرائض میں پائی جانے والی کوتاہی کو سنت ونوافل کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ (۳) قابل رشک زندگی گزارنے والے مومن کی تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت دل لگا کر بڑے ہی خشوع وخضوع سے کرتا ہو، نماز میں مشغول رہتا ہو تو پورے انہماک سے، تلاوت میں لگے تو پوری توجہ سے الفاظ ومعانی پر غور کرتے ہوئے، ذکرواذکار میں مصروف ہو تو مکمل دل جمعی سے گویا اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے اس کو اپنے سامنے موجود پاتا ہو۔ مرتبہ احسان کا اعلیٰ درجہ بھی یہی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''اللہ کی عبادت تم اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو (یہ تصوّر دل ودماغ میں بٹھالو کہ) وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے'' لیکن عبادت کا یہ انداز اسی شخص کو میّسر آسکتا ہے جو پرسکون زندگی گزار رہا ہو۔ ذہنی الجھنوں اور دنیوی جھمیلوں سے محفوظ ہو۔ (۴) قابلِ رشک زندگی گزارنے والے مومن کی چوتھی خوبی یہ ہے کہ وہ تنہائی میں بھی اپنے رب کی اطاعت کرتا ہو، خلوت میں ہو یا رات کے اندھیرے میں، گھر کے اندر ہو یا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ، ہر حال میں اللہ ربّ العزت کی تابع داری میں لگا رہتا ہو کیوں کہ اس کے نزدیک عبادت کا مقصد صرف اور صرف ربّ ذوالجلال کی خوشنودی ہے۔ عام لوگوں پر اپنی دین داری کا رعب ڈالنا، دکھاوا اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتا۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ میرا رب مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے اور وہ صرف شکل وصورت ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دلوں کے احوال سے بھی واقفیت رکھتا ہے، ارادے اور نیتوں کو بھی جانتا ہے، کھرے کھوٹے کی اسے خوب پہچان ہے اس لیے وہ بندۂ صادق تنہائیوں میں بھی گناہوں

سے مکمل اجتناب کرتا ہے اور خشوع وخضوع کے ساتھ یادالٰہی سے اپنے دل کو بہلاتا ہے۔ (۵) قابل رشک زندگی گزارنے والے مومن کی پانچویں خوبی یہ ہے کہ وہ عام لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا ہو۔ اہل بصیرت ہی اس کی حقیقت سے واقف ہوں، تواضع، مسکنت اور انکساری کی وجہ سے لوگ اسے اہمیت نہ دیتے ہوں، نہ ہی وہ خود شہرت و منصب کا خواہش مند ہو۔ حبّ جاہ وحب مال سے کوسوں دور ہو، اپنی حالت کو خلق خدا سے چھپاتا ہو، اپنی بزرگی کے جھوٹے، سچے واقعات برسرعام بیان نہ کرتا ہو، کیوں کہ یہ عمل خلوص وللّٰہیت کے منافی ہے، اسی لیے اکابر اولیاء اللہ اپنے روحانی احوال وکیفیت کو حد درجہ چھپایا کرتے تھے، اپنے اور اپنے رب کے تعلق کو غیر اللہ پر ظاہر نہیں کیا کرتے تھے۔ (٦) چھٹی خوبی یہ ہے کہ وہ بقدر ضرورت ہی رزق کے حصول کی کوشش کرتا ہو اور جتنے سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے اسی پر اکتفا کرتا ہو، دنیا طلبی میں مارا مارا نہ پھرتا ہو۔ (۷) ساتویں خوبی یہ ہے کہ جو تھوڑا بہت بقدر ضرورت اللہ نے عطا کر دیا وہ اسی پر صبر کرے اور مزید کے حصول کا لالچ اس کے دل میں پیدا نہ ہو اور یہ جان لے کہ جتنا میری تقدیر میں ہے وہ مجھے مل رہا ہے اور تا زندگی ملتا رہے گا۔ میری مزید کوشش اور دوڑ بھاگ سے تقدیر سے زیادہ ہرگز ہرگز میرے ہاتھ نہیں لگے گا اور جتنا مقدر میں ہے وہی ملے گا۔



مال وزر آزمائش یا قدرت کا انعام

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت کعبۃ اللہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں۔ ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں مگر ان (دولت مندوں اور سرمایہ داروں) میں ایسے بندے بہت کم ہیں''۔

مال وزر میں بڑی کشش ہے کیونکہ اس کے ساتھ دنیا کی خوش حالی وابستہ ہے۔ دولت مند مال و دولت کے بل بوتے پر نوکر چاکر رکھ سکتے ہیں جو اس کے اشاروں پر کام کرتے اور اسے آسودگی فراہم کرتے ہیں۔ مال وزر کی کثرت کی وجہ سے دوسرے لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں کی ہر خواہش پوری کرسکتا ہے۔ بیوی کے لیے زرق برق لباس اور قیمتی زیورات خرید سکتا ہے۔ بچوں کو قیمتی کھلونے اور طرح طرح کی پسندیدہ چیزیں فراہم کرسکتا ہے۔ دولت مند اپنے بچوں کی شادیوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کر کے معاشرے میں اپنی بڑائی قائم کرتا اور اپنی انا کی تسکین کا سامان پیدا کرلیتا ہے۔

اس کے برعکس غریب آدمی سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ وہ بمشکل اپنی بنیادی ضروریات ہی پوری کرسکتا ہے۔ بیوی بچوں کے جائز تقاضے پورے کرنا بھی اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی مشقت سے پر ہوتی ہے۔ اسے روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ اسے اچھا کھانا اور کپڑا میسر نہیں ہوتا۔ یوں اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور معاشرے میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نادار اور غریب اگر

تنگی ترشی میں زندگی گزارتا ہے اور اس حال میں وہ صبر سے کام لیتا ہے کہ اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے، اس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو اس سے زیادہ کامیاب کوئی دوسرا انسان نہیں۔ ایسے شخص کا حساب یسیر (یعنی آسان حساب) ہوگا۔

اس کے برعکس دولت مند آدمی دنیا میں دولت کے بل بوتے پر عیش وعشرت تو کرلے گا لیکن روز قیامت حساب کتاب کے وقت اسے مشکل پیش آئے گی، اسے جواب دینا پڑے گا کہ دولت کا ناجائز استعمال کیوں کیا؟ اس حدیث میں ایسے ہی دولت مندوں کے مال ودولت کا بیان ہے، مال ودولت بذات خود بری چیز نہیں ہے۔ اگر اسے سلیقے کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے روپے پیسے کو قرآن مجید میں فضل کہا گیا ہے اور یہ لفظ کسی طور پر بھی منفی مفہوم نہیں دیتا۔ جس طرح اللہ کی دی ہوئی دیگر نعمتوں مثلاً آنکھ، کان، زبان، وغیرہ کا استعمال مالک کی رضا کے مطابق کرنا چاہیے اسی طرح دولت کے خرچ کرنے میں بھی اللہ کے حکم کی پابندی ضروری ہے اور یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں بڑی استقامت، صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ اکثر دولت مند دولت کے خرچ میں میانہ روی اختیار نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کو سب سے زیادہ خسارہ پانے والے کہا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دولت منداس خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنی دولت کو فراخ دلی کے ساتھ خیر کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف خسارے سے بچے ہوئے ہیں بلکہ ان کے لیے نیکی اور بھلائی کمانے کے کثیر مواقع موجود ہیں۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلائیں، مریضوں کے علاج معالجے میں روپیہ خرچ کریں، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی خبر گیری کریں، حج اور عمرے کے لیے حرم شریف جائیں اور وہاں ایک نماز ادا کریں اور ایک لاکھ نماز کا ثواب پائیں، مال کو نام ونمود اور نمائش کے لیے خرچ نہ کریں، فضول خرچی سے بچتے رہیں، اپنی ضروریات کو گھٹاتے رہیں، بیوی بچوں کے ناجائز تقاضوں کو پورا کرنے سے رکے رہیں، دولت مندی انہیں

غرور اور تکبر میں مبتلا نہ کرے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ خسارے سے بچے ہوئے ہیں مگر یہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق بہت کم تعداد میں ہیں کیونکہ دولت کی فراوانی نفسانی خواہشات کو طول دیتی ہے۔ دولت مند آدمی اس دنیا کے آرام و آسائش میں اس قدر مدہوش ہو جاتا ہے کہ اسے برے بھلے کی تمیز نہیں رہتی۔ اس طرح وہ فکر آخرت سے بے پروا ہو کر دولت اکٹھی کرتا رہتا اور اسے فضولیات میں اڑاتا رہتا ہے، ایسے لوگ موت کے وقت تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں کچھ مہلت مل جائے تو وہ اچھے کاموں میں دولت خرچ کر کے نیکوکاروں میں شامل ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہرگز کچھ بھی مہلت نہیں دیتا، جب اس کا وقت مقرر آ جائے۔

اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دولت بہت بڑی نعمت ہے، اس کا استعمال برا بھی ہو سکتا ہے اور اچھا بھی، اس کا برا استعمال فضول خرچی، عیش و عشرت اور نمائش ہے اور اچھا استعمال خدا کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہے۔ اگرچہ یہ کام مشکل ہے مگر جتنا مشکل اتنا ہی زیادہ ثواب کا موجب اور حقیقی کامیابی و کامرانی اور نجات کا باعث ہے۔ دولت مند لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنی دولت کو کہاں خرچ کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ ابدی خسارہ یا لازوال راحت!



اولاد کی تربیت اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں ماں کا کردار

اسلام دین فطرت ہے، یہ انسان کی فطرت اور شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام لاگو کرتا ہے۔ قرآن کریم میں شراب نوشی اور قمار بازی کے بارے میں لوگوں کے دریافت کرنے پر ارشاد ربانی ہوا: ’’لوگ آپ ﷺ سے اس بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی باتیں زیادہ ہیں اور بعض فائدے بھی ہیں مگر گناہ فائدوں سے زیادہ ہے۔‘‘

اگر قرآن یہ کہتا کہ خمر و میسر (شراب اور جوئے) میں کوئی فائدہ نہیں تو ہوسکتا ہے کہ لوگ اعتراض کرتے یا عدم اطمینان کا شکار ہوتے۔ اسلام کی عائد کردہ تمام قیود و بندش معاشرے کے مفاد میں ہیں، اس مختصر تجزیہ سے یہ بات ہمارے سامنے آگئی کہ موجودہ دور میں جو کش مکش قوموں، ملکوں اور مذاہب میں جاری ہے اس میں یہ نظریات و خیالات کارفرما ہیں جو اہل مغرب نے دنیا کو دئے اور جس دلدل میں وہ خود جا گرے ہیں، آج کا نام نہاد ترقی پسند معاشرہ اسی جانب رواں دواں ہے۔ اس وقت ہماری فکر کے سارے دھارے اس جانب مبذول ہونے چاہئیں کہ معاشرے کے اس بحران سے کس طرح نمٹا جائے، اس کا تدارک کیسے کیا جائے اور اس کا حل کیا ہو؟ حدیث نبوی ﷺ ہے، آپ نے فرمایا: ’’تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا‘‘۔ اس حدیث کے مطابق معاشرے کا ہر فرد، چاہے وہ عورت ہو یا مرد، اپنے اپنے دائرہ اختیار میں سب راعی (نگہبان) ہیں اور ان کی ذمے داری ہے کہ بگاڑ کی تمام صورتوں پر نظر رکھیں اور ابتری و انتشار کے اس دور میں ہر جگہ مغربی تہذیب کی چالوں سے نہ صرف خود بلکہ معاشرے کو بھی محفوظ کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ مغرب کی تہذیبی یلغار سے بچنا اور لوگوں کو بچانا مسلم معاشرے کی اجتماعی ذمے داری ہے۔ حکم خداوندی ہے: ’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ‘‘۔

''صحیح بخاری'' کی حدیث ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے روشناس کراؤ اور انہیں ادب سکھاؤ۔ تربیت کا یہ نظام جو اسلام دیتا ہے، انسانی طرز عمل پر اثر انداز ہونے والے بہترین عوامل میں سے ہے، بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو والدین کے پاس ایک امانت ہوتا ہے، بچے کا دل و دماغ بالکل سادہ ہوتا ہے، اس کے والدین یا معلم و معاشرہ جس طرح چاہتے ہیں اس کے خیالات و افکار بناتے ہیں، اگر خیر کی طرف رہنمائی کریں تو وہ اس کا عادی بنتا ہے اور اگر اسے جانوروں کی طرح چھوڑ دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ خود تباہ ہوگا بلکہ اس کی تباہی کا وبال اس کے سرپرستوں پر بھی ہوگا۔

تربیت کے اس مرحلے پر ماں اولاد کے قریب ترین ہوتی ہے، معاشرے کی تباہی، بگاڑ اور تعمیر و ترقی میں وہ اہم ترین کردار ادا کرتی ہے، دور حاضر کے مغربی طرز زندگی اور مصنوعی چمک دمک نے ان کی ذمے داریوں کو مزید بڑھا دیا ہے۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ ذہنوں کو بدلنے میں مصروف ہیں، ہر باشعور مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے، ان کے برے اثرات عیاں ہیں، جھوٹ اور مکر و فریب کی اشاعت ان کا کام ہے، آزادی کے مغربی تصور کے تحت ان ذرائع ابلاغ نے فسق و فجور کی خوب اشاعت سنبھالی، پوری دنیا کے مسلمان ممالک کو اپنا ہدف بنا کر میڈیا کے اثرات کو گھر گھر پہنچا دیا۔

آج کی عورت کے لیے اپنی اولاد، خاندان، نظام، اصول و ضوابط، سب کو ان اثرات سے بچانا اور متبادل خیر کا پیغام اپنی نسلوں کو دینا انتہائی ضروری ہے، گھر اور بچے ہی معاشرے کی اکائی ہیں، اگر یہیں پر گرفت مضبوط ہو تو آگے معاشرہ بھی پابند ہو جاتا ہے اور اقدار کی حفاظت ہو سکتی ہے لہٰذا دینی اصولوں سے آگاہی اور مذہبی افکار کی روشنی میں بچوں کی تربیت انتہائی ضروری ہے۔ دشمنان اسلام اس فن سے بخوبی آشنا ہیں کہ آوارہ ذہن، سیکولر اور مادہ پرستی کی خوراکیں کس طرح خوش رنگ بنا کر پیش کریں، ماؤں کی جانب سے بچوں کی تعلیم و تربیت انتہائی ضروری ہے۔ ایک مشہور دانش ور کا کہنا ہے: ''یتیم وہ بچہ نہیں جس کے والدین دنیا میں اسے تنہا چھوڑ گئے ہوں، اصل یتیم تو وہ ہیں جن کی ماؤں کو

تربیت اولاد سے دل چسپی نہیں اور باپ کے پاس انہیں دینے کے لیے وقت نہیں''۔

آج یہ بات کس قدر درست نظر آتی ہے، بچوں کو برائیوں کے سیلاب سے بچانے کے لیے موجودہ دور کی عورت کو خصوصاً اپنے اوقات کار، گھر کے نظام، بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دینی ہوگی اور اس ثقافتی یلغار کا مقابلہ اسلامی رنگ کو اپنا کر ہی کیا جاسکے گا۔ اسی کپڑے پر رنگ اچھا چڑھتا ہے جس کا اپنا کوئی رنگ نہ ہو۔ اپنی اولاد اور گھر کے افراد کو اور رنگوں سے نکال کر صبغۃ اللہ میں رنگنا ہی اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ اگر آج بھی اسلام کے جامع حکیمانہ پیغام کو اپنایا جائے تو یقیناً بے پناہ بندشوں اور پابندیوں میں جکڑی ہوئی مظلوم اقوام کو عزت واحترام کی زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔



توبہ گناہوں پر ندامت اور قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بے حد رحم فرمانے والا ہے''۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتوں کا ذکر کیا ہے، ایک "توّاب" جس کے معنی ہیں: بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہے، ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے، اسی لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر جہاں بندے کے کسی گناہ پر تنبیہ فرمائی تو اسکے ساتھ اپنی صفت رحمت کا ذکر بھی فرمایا کہ اگر میرا بندہ کسی گناہ کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم کر بیٹھا اور پھر اس کے بعد وہ صدق دل سے میری بارگاہ میں توبہ کرے گا تو مجھے مہربان پائے گا چنانچہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر توبہ اور رحم کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

''سورۃ المائدۃ'' میں ارشاد فرمایا گیا: ''بے شک اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔ ''سورۃ البقرۃ'' میں فرمایا گیا: ''بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔ پھر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔

''سورۃ االانعام'' میں ارشاد ہوتا ہے: ''تمہارے رب نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، یہ اس کا رحم وکرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی میں کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد وہ توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر ہو جائے گی۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے حد محبت کرتا ہے، اس لیے اس نے قرآن کریم میں بار بار اپنی وسیع رحمت کا ذکر کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی توبہ کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دلائی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص چاہے کہ قیامت کے دن اس کا نامہ اعمال اسے خوش کر دے اسے کثرت سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ ''جو شخص توبہ کرتا ہے اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، بشرطیکہ دوبارہ وہی گناہ نہ کرے''۔ پھر امت کو توبہ کی ترغیب دلانے کے لیے فرمایا: ''میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اپنے رب سے طلب مغفرت کرتا ہوں''۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: ''تم زیادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کیا کرو اس لیے کہ میں خود دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں'' (مشکوٰۃ شریف)۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس قادر مطلق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم اتنی خطائیں بھی کرو کہ ان خطاؤں سے زمین و آسمان بھر جائیں اور پھر بھی تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری خطاؤں کو بخش دیگا'' (مشکوٰۃ شریف)۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو، ایسی توبہ جو آگے نصیحت ہو جائے''۔ توبہ کا مطلب ہے گناہوں کی زندگی سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لینا۔ حضرت حسن بصریؒ اسی ضمن میں فرماتے ہیں: ''دل سے ندامت و پشیمانی اٹھانا، زبان سے استغفار کرنا اور اعضاء سے ناشائستہ افعال کو نہ کرنا اور اس کے دوبارہ نہ کرنے کا عزم کر لینا، یہ توبۃ النصوح ہے''۔ اور جو شخص ایسی توبہ کرے اس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''وہ شخص اس طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا'' (سنن ابن ماجہ)۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ''گناہ گار بندہ جب یہ کہتا ہے کہ اے رب! میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرشتوں سے خطاب فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا''۔

امیر المومنین حضرت علی اکرم اللہ وجہہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا گناہ گار کے لیے بھی اللہ کی رحمت میں حصہ ہے؟ آپ نے دو برتن منگوائے ان میں ایک برتن نہایت خوب صورت اور ایک بدنما تھا پھر آپ نے فرمایا: ان دونوں کو اگر بارش میں رکھا جائے تو بتاؤ کیا یہ دونوں پانی سے بھر جائیں گے یا جو خوب صورت ہے وہ بھر جائے گا اور بدنما خالی رہ جائے گا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ دونوں ہی بھر جائیں گے۔ آپؓ نے فرمایا: اسی طرح اللہ کی

رحمت بھی ہر نیک و بد کے لیے عام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور جب وہ اپنی رحمتوں و برکتوں کا نزول فرماتا ہے تو بدکاروں اور نیکوکاروں دونوں پر یکساں کرم کرتا ہے، اس لیے اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انسان دانستہ طور پر گناہ بھی کرتا رہے، اللہ کی نافرمانی بھی کرے اور پھر اس سے بخشش کی امید رکھے اور یہ سمجھے کہ وہ اب بھی مجھ پر رحم کرے گا۔ اللہ اپنے بندوں پر رحم ضرور کرتا ہے کیوں کہ اس کی صفت ہی رحیم ہے لیکن جو بندے گناہوں سے توبہ کریں، خلوص نیت کے ساتھ اس کی بارگاہ میں اپنا سرِ نیاز خم کر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کی ضرور سنتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''جو شخص استغفار کو لازم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ہر تنگی دور فرما دے گا اور اس کا ہر غم خوشی سے بدل دے گا اور رزق دے گا''۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جب بندہ اللہ پر بھروسا کر کے اس کی رحمت کو طلب کرتے ہوئے استغفار کرتا ہے اور اسے اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو اللہ اس کی ساری تنگیاں اور ساری پریشانیاں دور فرما دیتا ہے، اس کے سارے غم کافور ہو جاتے ہیں۔

اللہ اپنے بندوں سے بے حد محبت کرتا ہے اور جب کوئی اسے پکارتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ وہ فرماتا ہے: میں پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: میں پکارنے والے کی پکار (دعا) کو قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ پکارے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح صاف صاف اعلان فرما دیا ہے کہ میری رحمت کا دروازہ کسی وقت بھی بند نہیں ہوتا، دعا مانگنے والا دن میں، رات میں، صبح یا شام، گھر میں یا مسجد میں، نماز کے بعد یا نماز سے پہلے جہاں بھی اور جب بھی دعا مانگے، میں قبول کرتا ہوں۔

یہ ارشاد سامنے رکھیے اور صدق دل کے ساتھ اللہ سے دعا مانگیے اور دل میں یہ یقین رکھیے کہ وہ سن رہا ہے اور قبول فرما رہا ہے۔

دل کی نرمی اللہ کے قرب کا ذریعہ

''دل'' انسانی جسم کا ایک اہم عضو ہے، انسانی جذبات واحساسات کا سارا تعلق دل ہی سے ہے۔ کہتے ہیں کہ دل ایک آئینے کی مانند ہے اور اگر یہ آئینہ حسد، بغض اور دیگر بیماریوں اور برائیوں سے میلا نہ ہوا ہو تو اس آئینے میں اللہ کا نور چمکتا نظر آتا ہے۔ انسانی دل جسمانی بیماریوں کے علاوہ روحانی بیماریوں کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ حسد، تکبر، بغض اور شک یہ دل کی روحانی بیماریاں ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اگر دل درست ہے تو انسان کا سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر دل کفر وشرک، بغض وعناد میں مبتلا ہے تو پھر آدمی کا دماغ اور دیگر اعضاء بھی یہی کفر کا راستہ اختیار کر کے گم راہی کا شکار ہو جاتے ہیں اور یوں انسانی زندگی دنیوی اور اخروی خسارے کا شکار ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔ کفر وشرک اور دوسرے گناہوں سے دل میں سختی اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی کا دل ہر دم بے چین اور پریشان رہتا ہے۔ دل کے بے چین ہونے سے پورا جسم ہی خرابی اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی کفر وشرک سے اجتناب کرے، گناہوں سے بچے، فرائض کو نہ چھوڑے، ذکر الٰہی کرتا رہے تو دل کو سکون ملتا ہے کیوں کہ: ''بے شک دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے'' (سورۃ الرعد)۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت قلب سے ہوتی ہے، قالب سے نہیں۔ اس حوالے سے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ ''زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا...... دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں''، یعنی اللہ کی اطاعت جسم سے زیادہ دل سے ہونی چاہیے اور جب اللہ کی بارگاہ میں آدمی اپنا سر جھکا لے تو دل بھی ساتھ ہی جھکنا چاہیے۔ گناہوں سے آدمی کے دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر گناہوں سے نفرت نہیں رہتی، آدمی دل کی سختی کے باعث دوسروں پر زیادتیاں کرتا ہے، حسد، کینہ اور بغض میں مبتلا رہتا ہے، یوں ایسا شخص دوسروں کے لیے بڑی مصیبت کا سبب بن جاتا ہے جب کہ اگر آدمی کے

دل میں نرمی ہو اور اسکا دل نرم ہو تو وہ کبھی بھی کسی پر ظلم وزیادتی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ دل کا نرم آدمی دوسروں کی تکلیف پر تڑپ اٹھتا ہے، اس کی تکلیف کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یوں ایسا بندہ اپنے رب کی قربت حاصل کر لیتا ہے کیوں کہ انسانوں کی خدمت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اللہ کے بندوں سے محبت کرنا انسان کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ''اے محمد! اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے'' (سورۃ آل عمران)۔ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ دل کی نرمی سے آدمی کی زبان میں بھی نرمی پیدا ہوتی ہے اور انسان دوسروں کو اپنی بات آسانی سے پہنچا سکتا ہے اور دوسروں کو اپنا محبوب بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ لاکھ دشمنی کے باوجود بھی کفار حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ اور نرم طبیعت کے باعث آپ کو مہربان اور صادق وامین کہتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''جو محروم ہو گیا نرمی سے تو وہ محروم ہو گیا نیکی سے'' (صحیح مسلم)۔

پس ثابت ہوا کہ اگر آدمی کا دل اور طبیعت نرم ہے تو وہ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا جب کہ طبیعت کا سخت آدمی نیکی سے کترائے گا اور پھر خیر سے محروم رہے گا لہٰذا ہم سب کو اپنے دلوں میں نرمی پیدا کرنی چاہیے اور اگر دل سخت ہے تو دل میں نرمی پیدا کرنے کے لیے آدمی کو صدقہ وخیرات کرنا چاہیے، یتیموں، غریبوں اور کم زوروں کی مدد کرنی چاہیے، لوگوں کے کام آنا چاہیے، مریضوں کی عیادت کرنی چاہیے، فرائض کیساتھ خوب ذکر الٰہی کرنا چاہیے۔ اس طرح دل میں نرمی پیدا ہوگی اور آدمی نیکیاں کما کر دونوں جہانوں میں سرخرو رہے گا۔



افواہ سازی اور غلط بیانی بدترین گناہ

''افواہ'' پھیلانا ایک دینی اور اخلاقی جرم ہے، کبھی کبھی تو اس کی وجہ سے گھروں کے گھر برباد ہو جاتے ہیں، اگر تفصیل میں جایا جائے تو شاید ہی کوئی دن ایسا ہو کہ جس دن ہمارا معاشرہ ان افواہوں کی زد میں آ کر ملی و ملکی نقصانات سے دوچار نہ ہوتا ہو۔ ظاہر ہے معاشرہ جن حالات سے دوچار ہو اس کے اثرات لازماً پڑیں گے۔ کاش افواہیں پھیلانے والے اور افواہوں پر کان دھرنے والے یہ احساس کر سکیں کہ اس سے کتنا نقصان ہوتا ہے؟ کاش ہمیں معلوم ہو کہ ہم مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور تعلیمات پر چلنا ہی ہمارا ''تشخص'' ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید ہمارا دستور ہے کہ اس دستور پر چل کر ہم آخرت کی منزل میں کامرانی و کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی دستور قرآن مجید کا ہم مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ سنی سنائی باتوں (افواہوں) پر یقین کر لینے سے پہلے تحقیق کر لیا کرو یعنی ان باتوں میں کتنی صداقت ہے؟ ویسے بھی بغیر تحقیق کسی بات کو تسلیم کر لینا صاحب عقل ہونے کی علامت نہیں بلکہ یہ بات اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا باعث بن جاتی ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تمہارے پاس اگر کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں تمہارے کسی فعل کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر پہنچ جائے اور پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔''

رحمتِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق دوسرے سے بیان کر دیا جائے'' (مفہوم حدیث)۔ معلوم ہوا کہ بغیر تحقیق کسی بات یا خبر کو مان لینا خلاف اسلام ہے جس کا نتیجہ ندامت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں، اس سے آدمی کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ افواہ کا مطلب ہے بغیر سوچے سمجھے، جو منہ میں آئے کہہ ڈالو۔ بظاہر افواہیں پھیلانا لوگوں کے لیے ایک مذاق سے کم نہیں ہے، لوگ اسے محض تفریح طبع سمجھتے ہیں۔ کاش ہم اس مذاق کے انجام پر نظر ڈالیں کہ جو کھیل ہم محض کھیل تماشے اور

دل کو بہلانے کے لیے کھیلتے ہیں وہ ملک وملت کے لیے بعض اوقات کتنا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔سنی سنائی باتوں کو آگے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا یقیناً ایک گھناؤنا جرم ہے جب ہی تو قرآن مجید نے اس پر ہمیں ''متنبہ'' کیا اور سرکار دو عالم ﷺ نے آگاہ فرمایا۔ ہر وہ عمل جو احکام الٰہی اور تعلیمات محمدی ﷺ کے خلاف ہو، باعث گناہ ہے چناہ چہ سنی سنائی باتوں پر جب مسلمانوں نے توجہ دینی شروع کی تو انکے دلوں سے محبت اور خیر خواہی کا جذبہ کم ہوتے ہوتے اس ''سطح'' پر آ گیا کہ کسی کی مصیبت کے متعلق سن کر یا دیکھ کر صرف افسوس کر کے چل دیے حالاں کہ مسلمان مسلمان کے لیے خیر خواہی کا ذریعہ ہے۔

افواہیں جب پھیلتی ہیں تو ان کے اثرات دلوں پر ایک ایسا داغ ڈالتے ہیں کہ یہ داغ عصبیت، منافرت اور بغض وعناد کا نہ مٹنے والا نشان بن جاتا ہے اور یہی سامان قوم کے ساتھ ساتھ ملک کو بھی داغ دار کر دیتا ہے۔جھوٹی باتیں (افواہیں) ہر ''سطح'' پر خطرناک ہی ہیں۔افواہیں ملک کی سلامتی کے لیے بسا اوقات اس حد تک خطرناک ہوتی ہیں کہ زر مبادلہ اور کاروبار، انتہائی متاثر ہو کر ملک کو تباہی کے دہانے پر لے آتا ہے چنانچہ مسلمان جب بھی اسلامی حکم پر عمل کرنے سے بیگانہ ہوئے تو ان میں ایقان کی، ایمان کی طاقت جو مسلمانوں کا شعار تھا، چھین لی گئی ،ایقان وایمان کی جگہ بے یقینی کی کیفیت طاری ہوگئی۔آج ہمارے دشمنوں نے مسلمانوں کے ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور معاشرے میں ''گردہ بندی'' کی بنیادیں ڈال دیں حالاں کہ مسلمان ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو عقیدتاً ایک نظریے کے حامی ہیں۔گروہ بندی اور فرقہ واریت کے جراثیم مسلمانوں کی یک جہتی کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے پھر کیا ہوا؟ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف کر دیا، یہ فلاں فرقہ ہے، یہ فلاں فرقہ ہے حالاں کہ مسلمانوں کا تعلق تو ایک فرقے سے ہے، ایک اللہ کے بندے ہیں، ایک رسول ﷺ کی امت اور ایک کتاب کے ماننے والے ہیں۔کسی اسلام دشمن کا قول ہے کہ اگر مسلمانوں کی یک جہتی ختم کرنی ہے، اگر ان کا اللہ پر یقین ختم کرنا ہے تو ان کا اتحاد ختم کر دو اور وہ ایسے کہ انہیں ان ہی کے بھائی بندوں کے

جھوٹے قصے اس طرح سناؤ کہ وہ ان کو سچ سمجھنے لگیں کہ جب وہ آپس میں لڑیں گے تو ان کی ہوا اکھڑ جائے گی چناں چہ یہی ہوا، آج ہماری شناخت یہ ہے کہ تو فلاں ذات اور نسل کا ہے، تو فلاں ذات اور نسل سے تعلق رکھتا ہے، تو یہ نہیں مانتا، ہم تجھے مسلمان ہی نہیں مانتے۔ شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے:

فرقہ بندی ہے کہیں، کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

حقیقت یہ ہے کہ افواہ پھیلانے والے اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ دشمنان اسلام نے افواہ طرازی کا رخ ملک کی طرف موڑ دیا۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان ذرا ہوشیار ہوگیا تو دشمن اسلام کو کہیں ٹھکانہ نہ ملے گا اور پھر شیطان کی طرح وہ بھی راندہ درگاہ ہو جائے گا۔ افواہوں کا رخ ادھر ہی موڑ دیں کہ جہاں سے یہ افواہیں جنم لے کر مسلمانوں میں انتشار کا سبب بن رہی ہیں۔ آیئے عہد کریں کہ مسلمانوں سے متعلق اگر کوئی بات سامنے آتی ہے تو حکم ربانی کے مطابق اس کے متعلق پوری طرح تحقیق کریں گے پھر اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کریں گے۔



وقت کی قدر و قیمت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

''وقت'' اللہ کی ایک ایسی نعمت ہے جو امیر و غریب، عالم و جاہل اور چھوٹے و بڑے سب کو یکساں ملی ہے۔ وقت کی مثال کڑکڑاتی دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی اس سل سے دی گئی ہے جس سے اگر فائدہ اٹھایا گیا تو بہت اچھا ورنہ وہ تو پگھل ہی جاتی ہے۔ اس وقت مسلم معاشرہ مجموعی طور پر وقت کی بے قدری کا شکار ہے۔ مغربی معاشرہ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود وقت کا قدرداں ہے اور زندگی کو ایک نظام کے تحت گزارنے کا پابند ہے۔ علم وفن اور سائنس وٹیکنالوجی میں ان کی ترقیوں کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں وہ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر سکتی ہیں، فضاؤں پر قبضہ کر سکتی ہیں، عناصر کو مسخر کر سکتی ہیں، وہ پہاڑوں کے سینے چاک کر سکتی ہیں، ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، وہ زمانے کی زمام قیادت سنبھال سکتی ہیں۔ جب تک یہ اوصاف مسلمانوں میں باقی رہے دنیا کی کوئی قوم ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکی لیکن جب سے ہم نے نمود و نمائش، بے جا اسراف، تن آسانی، کام چوری اور عیش وعشرت کا وطیرہ اختیار کیا، دنیوی عزت اور ترقی نے بھی ہم سے منہ موڑ لیا۔

جو قومیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں وقت انہیں ضائع کر دیتا ہے۔ ایسی قومیں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ وہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے خسارے میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے: ''وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم نے اسے نہ کاٹا تو وہ تمہیں کاٹ ڈالے گا۔''

اس مقولے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کام کے ذریعے وقت کو ختم نہیں کرو گے تو وہ تمہیں مختلف آرزوؤں اور امیدوں میں مبتلا کر کے ختم کر دیگا۔ ''وقت'' کا حاصل یہ ہے کہ یہی انسان کی زندگی، اس کی عمر اور اس کا وجود ہے۔ انسان کی بقا اور اس کے نفع کا مدار یہی وقت ہے۔ قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی قدر و

قیمت دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں ارفع اور بلند ہے، چناں چہ اس بارے میں بہت ساری آیات ہیں جن میں وقت کی قدر و قیمت اور اس بلند مرتبہ کا ذکر ہے۔ایک مقام پر فرمایا گیا: ''قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھپالے اور دن کی جب کہ وہ روشن ہو جائے'' (سورۃ اللیل)۔ایک مقام پر فرمایا گیا: ''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی'' (سورۃ الفجر)۔ ''قسم ہے زمانے کی کہ انسان خسارے میں ہے'' (سورۃ العصر)۔

امام فخر الدین رازیؒ اس سورۃ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے عصر یعنی زمانے کی قسم کھائی ہے کیونکہ اس میں عجیب وغریب امور انجام پاتے ہیں۔اسی میں خوشی اور غمی، تندرستی اور بیماری ہوتی ہے اور اسی میں مال داری بھی ملتی ہے اور فقر بھی۔علاوہ ازیں اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی کیوں کہ یہ عمر عمدگی اور قیمتی ہونے میں انمول ہے''۔وقت کی قدر و قیمت وعمر عزیز کی اہمیت اس کے احساس اور تعمیری زندگی اختیار کرنے کی طرف نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بھی مختلف اسلوب وانداز سے توجہ دلائی گئی ہے۔حدیث کے مشہور امام، امام ابوداؤدؒ کا قول ہے کہ چند احادیث ایسی ہیں کہ اگر انسان ان چند احادیث پر عمل کرلے تو آخرت میں اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ان میں ایک حدیث ہے: ''آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان لایعنی مشاغل ترک کردے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن آدمی اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکے گا جب تک چار چیزوں کے بارے میں اس سے سوال نہ کرلیا جائے: عمر کے بارے میں کہ کہاں صرف کی، جوانی کے بارے میں کہ کہاں گزاری اور مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کس مصرف میں خرچ کیا؟'' (معجم الکبیر للطبرانی)۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، ایک صحت اور دوسری فراغت۔'' صحت کی

قدر اس وقت ہوتی ہے جب بیماری کی تکلیف سر پر آجاتی ہے اور دوسری نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیے جو فراغت کی چند گھڑیوں کے لیے ترستے ہیں۔

محدث کبیر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے اپنی کتاب ''قیمۃ الزمن عند العلماء'' میں اس حدیث کے ذیل میں فرمایا: بعض علماء فرماتے ہیں: ''نعمت'' وہ ہے جس سے انسان خوشی اور لذت محسوس کرے اور ''غبن'' یہ ہے کہ کئی گنا قیمت کسی چیز کی ادا کرے یا مناسب قیمت سے کم میں کوئی چیز بیچ دے۔ جس شخص کا جسم تندرست ہو، وہ کاموں سے فارغ ہو کر بھی آخرت بنانے کی فکر نہ کرے تو وہ شخص خرید وفروخت میں نقصان اٹھانے والے کی طرح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اکثر لوگ صحت اور فراغت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اسے بے جا صرف کر دیتے ہیں پھر دونوں ہی چیزیں ان کے حق میں وبال بن جاتی ہیں حالاں کہ دونوں کو صحیح مصرف پر صرف کیا جاتا تو کتنا فائدہ ہوتا؟

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ''کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان تندرست تو ہوتا ہے لیکن معاش میں مشغول ہونے کی وجہ سے فارغ نہیں ہوتا اور کبھی معاش کی فکر سے مستغنیٰ ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں ہوتا، جب دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو نیکی میں سستی کرنے لگتا ہے۔ ایسا شخص ''مغبون'' کہلاتا ہے۔''

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ تجارت تو یہاں ہوتی ہے جس کا نفع آخرت میں ظاہر ہوگا لہٰذا جو شخص اپنی صحت اور فراغت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرے وہ تو ''مغبوط'' (قابل رشک) کہلائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے وہ ''معبون'' (گھاٹے والا) سمجھا جائے گا کیوں کہ فراغت کے پیچھے مشغولیت اور صحت کے پیچھے بیماری آتی ہے اور اگر کوئی بیماری نہ بھی آئے تو ایک بڑھاپا ہی کافی ہے۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے: ''مجھے ایسا شخص بالکل ناپسند ہے کہ جو فارغ ہو اور دنیا و آخرت کے کسی بھی کام میں مشغول نہ ہو۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ)

امام رازیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! کھانا کھاتے

وقت علمی مشغلہ ترک کرنے کی وجہ سے مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کیوں کہ وقت اور زمانہ بڑا ہی عزیز سرمایہ ہے۔''(عیون الانباء)

ابوالوفاء بن عقیلؒ نے کئی مختلف فنون میں کتابیں لکھیں۔ایک کتاب انہوں نے آٹھ سو جلدوں میں لکھی۔کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔(طبقات الحنابلہ)۔وہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:''علماء،عقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی، جسے بچا بچا کر استعمال کرنا چاہیے، وقت ہے۔لمحات زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بڑا غنیمت ہے اس لیے اسے بچا بچا کر استعمال کرنا چاہیے کہ انسان کے ذمے کام بہت ہیں جب کہ وقت اچک کر بہت جلد غائب ہونے والی شے ہے۔''

امام ابوحاتم رازیؒ کے صاحب زادے عبدالرحمٰن فرماتے تھے:''کبھی ایسا بھی ہوتا کہ والد کھانا کھارہے ہیں اور میں ان کے سامنے پڑھ رہا ہوں ،وہ راستے میں چل رہے ہیں، میں انہیں کتاب پڑھ کر سنا رہا ہوں، وہ گھر میں کوئی چیز لینے کے لیے داخل ہورہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔''(سیر اعلام النبلاء)



حسنِ اخلاق اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو

حسنِ اخلاق کا مالک ہونا بلاشبہ ایک عظیم نعمت ہے۔قرآن کریم اور احادیث نبوی میں حسن اخلاق کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں۔مسلمانوں کو جا بجا حسن اخلاق پر عمل پیرا ہونے کے لیے مؤثر انداز میں ترغیب دی گئی ہے۔گھریلو اور معاشرتی زندگی کی خوش حالی کا راز اسی میں مضمر ہے۔حسن اخلاق کو اختیار کر کے انسان اپنی دنیوی زندگی اور آخرت کو سنوار سکتا ہے۔معاشرے میں پھیلی بے چینیوں کی فضاء، ایک دوسرے سے دوری کا سبب، دلوں میں کدورت و نفرت، آپس کی ناچاقیاں، خاندانی جھگڑے، میاں بیوی کی آپس میں چپقلش، ساس بہو کے درمیان رنجشیں، استاد اور شاگرد میں تلخیاں، دوستوں کے بیچ نا اعتباری، افسران اور ماتحتوں میں الجھاؤ والی صورت حال، گھروں کی اندرونی فضا میں گھٹن جیسی کیفیت، ریلوے اسٹیشن اور بس اسٹاپوں میں عوام کا جگہ کے حصول کے لیے باہم دست درازی اور کھینچا تانی کرنا، ان تمام باتوں کی جہاں اور کئی وجوہ ہیں ان میں سب سے بڑی وجہ بداخلاقی ہے۔ ہم من حیث القوم بداخلاقی میں مبتلا ہیں۔نوجوانوں میں سے اکثریت اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہے۔ذکر کردہ تمام خرابیوں کا بس ایک ہی علاج ہے، وہ ہے حسن اخلاق کو اپنانا۔آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث ہمیں حسن اخلاق کے بارے میں کیا تعلیم دیتے ہیں؟ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حسن اخلاق کے چار درجات ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔یہ کم سے کم درجہ ہے۔اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ذات سے یا اس کے کسی طرز عمل سے دوسرے کو ایذا پہنچ رہی ہے، خواہ وہ دوسرا انسانوں میں سے ہو یا حیوانوں میں سے، خواہ اس کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا کافروں سے، اسے تکلیف پہنچانے کی وجہ سے وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نگاہ میں بداخلاق کہلائے گا اس لیے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کامل مسلمان تو وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کو ستانا تو دور کی بات ہے بلکہ انسان کو چاہیے کہ دوسروں کو

فائدہ پہنچائے، دوسروں کے کام آئے۔ ہر انسان کو اللہ نے کچھ نہ کچھ اختیارات سے نوازا ہے، اب انسان یہ سوچے کہ میرے کس عمل سے دوسروں کو نفع ہوسکتا ہے؟ کس معاملے میں میری لب کشائی سے کسی غریب کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے؟ میرے ایک دستخط سے کس کا بگڑا ہوا کام سدھر سکتا ہے؟ ورنہ کسی کو سلام کی صورت میں دعا دینا تو ہر شخص کی قدرت میں ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے انسان کو تمام حقوق میں اپنے برابر سمجھے، اپنی ذات کے لیے جو کچھ پسند کرے دوسرے کے لیے بھی وہی چاہے۔ اگر وہ خود کسی تکلیف سے بچنا چاہتا ہے تو اپنے مسلمان بھائی کو بھی اس تکلیف سے محفوظ رکھنے کی فکر کرے۔ اگر ہماری خواہش یہ ہے کہ کوئی ہمارا جائز کام کرنے کے لیے ہم سے سفارش یا رشوت طلب نہ کرے تو ہمیں بھی دوسروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا ہوگا۔ اگر ہمیں یہ مطلوب ہے کہ کوئی ہمارے جائز حقوق نہ دبائے تو دوسروں کے جو حقوق ہمارے متعلق ہیں انہیں ادا کرنے میں ہمیں لاپروائی نہیں کرنی چاہیے۔ اس تیسرے درجے کو مساوات بھی کہتے ہیں۔

چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ انسان ہر معاملے میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے ،اس کی سوچ کا محور ہی یہی ہو کہ میرا کوئی کام بنے یا نہ بنے لیکن دوسرے مسلمان کا کام بن جائے، مجھے پیٹ بھر کے کھانا نصیب ہو یا نہ ہو لیکن میرا مسلمان بھائی کھالے۔ یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے، اسے ایثار بھی کہتے ہیں۔ یہ صحابہ کرامؓ اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو حاصل تھا۔ جنگ یرموک میں ایک گلاس پانی کتنے زخمیوں کو پیش کیا گیا لیکن ہر زخمی نے اپنی پیاس کے اوپر دوسرے کی پیاس کو ترجیح دی اور اسی طرح جام شہادت نوش کرلیا اور پانی کا گلاس اسی طرح باقی رہا۔ اس سے ملتے جلتے کئی واقعات تاریخ میں موجود ہیں جو درس ایثار دے رہے ہیں۔ اب ہم میں سے ہر شخص اپنی عادات اور حالات سامنے رکھ کر بہ خوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کا شمار حسن اخلاق کے ان چار درجات میں سے کس میں ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی درجے میں وہ شامل نہیں تو پھر فکر کی ضرورت ہے ورنہ یہ بداخلاقی ہمیں تباہی کے دہانے پر لے جائے گی۔

بندے کی توبہ جو اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات میں دراز فرماتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ دراز فرماتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کر لے اور یہ موقع اس وقت تک باقی رہے گا جب سورج مغرب سے نکلنے لگے۔'' (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ کتنا بڑا فضل اور انعام ہے کہ وہ ہر گناہ گار بندے کو توبہ کرنے کا موقع دیتا ہے، وہ بھی ایک بار نہیں بلکہ بار بار دیتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ توبہ سچے دل سے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ کی جائے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے اور رحمتِ الٰہی کے دروازے ہر وقت وا ہیں، کہاں ہیں اللہ کی رحمت کے جو یا بندے؟ اگر کسی سے دن کے اُجالے میں گناہ سرزد ہو گیا ہے اور وہ رات کی تاریکی میں اُس پر پشیمان ہے تو توبہ کرے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے معافی مانگ لے اور اگر کسی سے رات کی تاریکی میں کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے اور وہ دن کی روشنی میں اس پر نادم ہے تو وہ بھی توبہ کر لے۔ بس شرط یہ ہے کہ توبہ قلبِ سلیم کے ساتھ کی جائے۔ یہ حدیث ہر اُس شخص کے لیے ایک بشارت ہے جو غیر شعوری طور پر یا غیر ارادی طور پر گناہ کرتا رہتا ہے لیکن گناہ کا احساس ہوتے ہی توبہ کر لیتا ہے۔

اگر کوئی شخص زندگی بھر معصیت و گناہ میں مبتلا رہا اور اب اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اُس کے لیے توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے، سچے دل سے کی ہوئی توبہ ان شاء اللہ یقیناً قبول ہو گی، نا اُمید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدا کی رحمت تو بندے کی بخشش کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے بعد بھی نا اُمید ہونے کی کوئی وجہ ہے؟ قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا گیا: ''اے نبی ﷺ! آپ فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے گناہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے تم

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ (شرک کے علاہ) تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے‘‘ (سورۃ الزمر)۔

اگر کوئی شخص احکام خداوندی پر عمل پیرا ہے، متقی و پرہیز گار ہے تو وہ اپنے اعمال پر اترائے نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُس میں ریا کاری اور دکھاوا تو نہیں ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اور نہ آپ نجات پا سکتے ہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپؐ نے فرمایا: اور نہ میں نجات پا سکتا ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و کرم سے ڈھانپ لے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ موت کے وقت سے پہلے تک قبول فرماتا ہے۔‘‘ (ترمذی)



بے گناہ انسان کا قتل

اللہ کے غضب اوراس کے شدید عذاب کا سبب

قرآن وسنت کی رُو سے کسی بے گناہ انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے

سرکاردوعالم ﷺ کے ارشاد کے مطابق تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی وہی انسان اور مسلمان محبوب ہے جواس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا اوراس کے افراد سے محبت رکھتا ہے۔اسی مذکورہ اصول کے تحت کسی انسان کا ناحق قتل انتہائی بھیانک جرم ہے، جب کہ کسی مسلمان کا ناحق قتل تو گناہ عظیم اور شدید ترین ظلم ہے۔قرآن حکیم اس گناہ عظیم کی سزا بتاتے ہوئے کہتا ہے:''اور جو کوئی مسلمان کو ناحق جان کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ قاتل ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اللہ کی لعنت ہے اوراس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے''۔(سورۃ النساء)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے''۔(سورۃ الانعام)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر وتشریح میں ہے کہ دوسرے کی جان کو (ناحق) لینا ہی جرم نہیں بلکہ اپنی جان کو ہلاک کر دینا (خودکشی کر لینا) بھی حرام ہے۔(یہ آیت مبارکہ اپنی اور دوسرے کی جان ناحق لینے پر بالکل ممانعت کر رہی ہے)

مسلمان کے ہاتھوں کسی مسلمان کا ناحق قتل چوری کے وقت، ڈاکہ ڈالنے کے وقت، رہزنی کے وقت (ڈاکوؤں اور رہزنوں کے ہاتھوں) کسی کلمہ گو مسلمان کا دنیا سے اٹھ جانا ابلیس لعین کے لیے مسرت کا ذریعہ ہے۔ناحق مقتول ہونے والے پر تو ظلم ہے ہی، اس کے لواحقین، بال بچوں، رشتے داروں اور بہی خواہوں پر بھی انسانیت سوز ظلم عظیم ہے۔یاد

رکھنا چاہیے کہ قاتل کا حشر کفر وشرک کرنے والے کی طرح ہوگا اور وہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔ جب کہ ایسے مقتول اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے۔ حق تعالیٰ فریاد قبول فرمائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو ہاتھ سے پکڑ کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے لائے گا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہوگا اور کہے گا کہ میرے رب! اس (قاتل) سے پوچھیے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟

مت ستا ظالم کسی کو مت کسی کی آہ لے
مظلوم کی آہ سے عرش بھی ہل جائے ہے

قتل اور انتقام کا سلسلہ یقینی طور پر انسانیت کے خلاف شیطانی کارنامہ ہے جس کے نتائج مقتول اور قاتل دونوں کے خاندان اور دوست احباب بھگتتے ہیں۔ ہر دو کو تکلیف وایذا پہنچتی ہے اور قاتل دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک تمہارے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

نہ جا اس کے عمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

مسلمانوں کے علاوہ کفار اور مشرکین کو بھی صرف بحالت جنگ و جہاد میدان کارزار میں قتل کرنا جائز ٹھہرا، وگرنہ ان کی حفاظت، جان و مال و آبرو بھی پر امن رعایا ہونے کی صورت میں اسلامی حکومت کی ذمے داری اور فرض ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو گالی دینا، فسق وفجور (ظاہری گناہ عظیم) اور قتل وغارت گری اور خوں ریزی کفر (کے ہم پلہ) ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات چیزوں سے بچو: شرک۔ جادو۔ ناحق کسی کا قتل۔ سود کھانا۔ یتیم کا مال کھانا۔ جہاد میں میدان کارزار سے پیٹھ دکھانا۔ پاک دامن، ایمان دار عورتوں پر بہتان لگانا۔ (صحیح مسلم)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: قیامت کے دن لوگوں کے معاملات میں جس

چیز کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا وہ انسانوں کے خون ہوں گے۔(تفسیر ابن کثیر)

آپ ﷺ نے فرمایا: حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سب سے پہلے انسانوں کی جان و مال اور آبروئیں ہوں گی، ان کا حساب پہلے ہوگا۔(صحیح مسلم)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمے سے بھی اعانت و مدد کی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا ''یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے۔''(تفسیر ابن کثیر)۔

''قتل ناحق اور خودکشی'' احکام شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں قطعاً حرام ہیں اور ان گھناؤنے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ جہنم کے عذاب کا مزا چکھے گا۔ اس کے ساتھ اس کا معاون و مددگار یا قاتل کو سزا وقصاص سے بچانے کے لیے جھوٹی گواہی دینے والے یا تعاون وامداد فراہم کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کردیے جائیں گے اس لیے کہ نیکی کے کام میں مدد کرنا بھی نیکی ہے اور گناہ کے کام میں مدد کرنا بھی گناہ ہے۔ مختصراً یہ کہ اچھائی اور نیکی کے کام میں مدد کرنا اور اعانت کرنا جب بہت بڑی نیکی ہے تو گناہ اور ظلم وجور کے کام میں ہاتھ بٹانا اور اس میں اعانت و مدد کرنا بھی شدید ترین گناہ ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: تعاون کرو نیکی اور تقویٰ کے ثواب والے کام میں مگر مت مددگار بنو گناہ اور ظلم وجور کے گناہ عظیم میں لہٰذا قتل وغارت گری اور لوٹ مار وفساد کے کاموں میں شریک ہونا بدترین گناہ ہے۔



رشتے داروں سے صلہ رحمی اور حُسنِ سلوک پر اجر وثواب کی نوید

قرآن وسنت میں قرابت داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، اُن سے بدسلوکی اور قطع تعلق اللہ کی ناراضی کا سبب اور اس کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

(خطبہ) امام الحرم شیخ محمد بن عبداللہ السُّبیل (ترجمہ) مفتی مزمل حسین کاپڑیا

اے اللہ کے بندو! اپنے قول وفعل میں خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نافرمانی اوران اعمال سے منع فرماتا ہے جو اس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ صلۂ رحمی اور اطاعتِ والدین کا حکم دیتا اوران کی نافرمانی اور قطع رحمی سے منع فرماتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی کریم ﷺ نے صلۂ رحمی کی اہمیت کے تذکرے کے ساتھ صلہ رحمی کی ترغیب بھی دی ہے اوراس ثواب کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جو صلہ رحمی کرنے والوں کو دنیا وآخرت میں عطا کیا جائے گا۔ صلہ رحمی سے رزق، عمر، مال واولاد میں برکت ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم یہ ہے: ''تم قرابت دار اور رشتے داروں کا، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو، اس میں بہتری ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا مندی چاہتے ہیں اور یہی لوگ حقیقت میں کامیاب ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔''

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے: آنخضرت ﷺ ایک سفر میں تھے کہ ایک دیہاتی آیا اوراس نے آنخضرت ﷺ کی اونٹنی کی لگام تھام لی اورعرض کیا: ''آپ ﷺ مجھے ایسی چیز بتادیں جو مجھے جنت سے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو''۔ جب وہ دیہاتی چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس شخص نے میرے اس ارشاد پر عمل کیا تو جنت

میں داخل ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''صلہ رحمی عرش کے ساتھ معلق ہے اور یہ کہتی ہے کہ جس نے صلہ رحمی کی اللہ تعالیٰ اسے عرش سے ملائے گا اور جس نے قطع رحمی کی تو اللہ تعالیٰ اسے عرش سے منقطع کر دے گا۔''

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اسی طرح قطع رحمی، رشتے داروں سے قطع تعلق سے منع فرمایا ہے اور ان امور کی نشان دہی کی ہے جو قطع رحمی کے نتیجے میں پائے جاتے ہیں۔ جو شخص قطع رحمی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑی بھلائی سے محروم فرما دیتا ہے اور وہ شخص اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو صلہ رحمی نے اللہ سے یہ عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے آپ اپنی پناہ میں رکھیں تا کہ کوئی میری قطع رحمی نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو شخص تیرا خیال رکھے گا میں اُس کا خیال رکھوں گا اور جو شخص تجھے منقطع کرے گا میں اس سے منقطع ہو جاؤں گا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم ہے: ''تم اگر زمین میں فساد کرو گے اور قطع رحمی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی تم پر لعنت ہو گی اور اللہ تعالیٰ تمہیں بہرہ اور اندھا کر دیں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے: وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا اور اس کے لیے اپنے نام کا حصہ تجویز کیا اور جس نے صلہ رحمی کی، میں بھی اس سے رحم کا معاملہ کروں گا اور جس نے قطع رحمی کی، اُس سے میں بھی لاتعلق ہو جاؤں گا۔

اے اللہ کے بندو! سب سے افضل درجہ صلہ رحمی کا یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو جس نے تمہارے ساتھ قطع رحمی کی، اسے دو جس نے تمہیں محروم کر دیا، اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ جو تمہارے ساتھ غضب سے پیش آئے، اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ

کرو جو تمہارے ساتھ بُرائی کا معاملہ کر رہا ہے اور تمہارا یہ طرزِ عمل محض اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے پیشِ نظر اور اُن کی رضا کے لیے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''وہ لوگ جو اُن قرابت کے رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جنہیں جوڑے رکھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور برے حساب سے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مصائب پر صبر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر اُخرچ کرتے ہیں اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے عاقبت کا گھر ہے اور رہنے کے لیے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ، دادا، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے، وہ بھی بہشت میں جائیں گے اور فرشتے ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تم پر رحمت ہو، یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب ہے اور جو لوگ اللہ سے پختہ عہد کر کے اُسے توڑ ڈالتے ہیں اور جن قرابت کے رشتوں کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، انہیں توڑ دیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ایسوں پر اللہ کی لعنت ہے اور اُن کے لیے آخرت میں ٹھکانا بھی برا ہے''۔



صبر و شکر ایمان کی بنیاد، بندگی کا لازمی تقاضا

دو لفظ معاشرے میں اتنی کثرت سے بولے جاتے ہیں کہ بسا اوقات یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان دونوں لفظوں پر پُر سکون زندگی کا پہیہ گردش کرتا ہے۔ وہ دو لفظ ''صبر و شکر'' ہیں۔ امت محمدیہ ﷺ کی شان ایسی نرالی ہے کہ اس امت کے مزاج میں اطاعت کے علاوہ صبر و شکر رچا بسا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو صبر کا دامن تھام لیتا ہے باری تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ صبر کا مفہوم یہ ہے کہ امور کی کامیابی کے لیے دل و جان سے جد و جہد کر کے نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو، جس نے وعدہ کیا ہے وہ ضرور عطا کرے گا، کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینے کا مطلب صبر ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ مصیبتوں اور مشکلوں میں صبر کا دامن تھامے رکھنا اللہ کی رحمت کو پانے کا آسان راستہ ہے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو اپنے سے بلند درجہ لوگوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ دنیا میں ہمارے اعمال صالحہ ان سے زیادہ تھے مگر مرتبے انہیں مل گئے۔ اللہ فرمائے گا کہ ان لوگوں نے مصیبتوں اور مشکلوں میں صبر کیا لہٰذا انہیں یہ مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ یہ ہے صبر کرنے والوں کا مقام صبر جو اصل میں مضبوط ایمان کی دلیل ہے۔

رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: جس طرح سر کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح صبر کے بغیر ایمان ناقص ہے۔

صبر مسلمانوں کے ایمان کی شناخت ہے۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ بالآخر صابر ہی کامیاب و کامران ہوا۔ کاش ہم مصائب اور پریشانیوں میں صبر کا دامن نہ چھوڑیں، بالخصوص ہم جس دور سے گزر رہے ہیں کہ صبر کا دامن تھامنا تو درکنار، محبت، اخوت و بھائی چارے کا رشتہ بھی تار تار ہو رہا ہے جو اچھی علامت نہیں ہے، یہ تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے اور آہستہ آہستہ ثابت بھی ہو رہا ہے۔ ذرا غور و فکر کریں تو انجام بڑا ''لرزہ

خیز'' طوفان کی طرح بڑھ رہا ہے۔ بے حسی اس درجے پر ہے کہ اپنی بقا کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا بھی مشکل ہے۔ یہ سوچ کر صبر کر لینا نہ صرف بربادی بلکہ ذلت آمیز موت کو دعوت دینا ہے۔ اپنی لغزشوں اور خطاؤں کا ''رزلٹ'' دیکھ کر دوسروں کو برا بھلا کہنا، کسی بھی تبدیلی یا خوش حالی کی ضمانت نہیں۔ خوش حالی آئے گی انشاءاللہ ضرور آئے گی مگر خواب غفلت سے اٹھنا ہوگا، کچھ کرنا پڑے گا، ذلت ورسوائی ختم ہوگی مگر ذرا خود کو دیکھنا پڑے گا۔

71 برس قبل ملک کے لیے ایک قوم بن کر ظالموں سے نبرد آزما ہونا اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا، صبر یہی تو ہے تاکہ اس سے مانگ کر عطا کا انتظار کریں جو بالآخر ہوگی۔ عطا ہوئی، پاکستان مل گیا، سب کچھ ملا، عزت ووقار، رزق، سکون اور بے خوف وخطر زندگی، دنیا میں قدرومنزلت، صبر کا پھل مل گیا۔ دیکھنا چاہو کہ پھل کیسا ہے تو اب اس کا شکرادا کرو کہ صبر کی منزل شکر کی بنیاد پر قائم ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''تم میرا شکرادا کرو، میں تمہیں قدرو منزلت سے نوازوں گا'' مگر ہوا کیا؟ رحمٰن کے صابر بندوں کو شیطان کے کارندوں نے بہکا دیا۔ دنیا کو ہم اپنی محنت وکاوش پر محلول کر بیٹھے کہ رب سے ناراضی کی ابتداء یہیں سے شروع ہوتی ہے جب بندہ اللہ کو بھول کر اپنی خودی پر ناز کرنے لگے۔ سنا ہے کہ کسی ملازم سے خفا ہو کر حاکم نے اسے قید میں ڈال دیا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا حاکم آیا تو اس نے اسے آزاد کر دیا۔ قید سے چھوٹ کر قیدی سیدھا بھاگا۔ حاکم کو یہ بات ناگوار گزری اور قیدی کو یہ کہہ کر دوبارہ قید کر دیا کہ اس نے قید سے رہا کرنے والے کا شکریہ ادا نہ کیا اور ناشکرا اسی قابل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے فرمادیا: ''ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے'' (سورۃ النساء)۔

قیام پاکستان کے لیے ہماری جدوجہد اور صبر کے ساتھ تحریک کا صلہ ملا مگر افسوس! ہم اس کی عطا پر اللہ کے شکر گزار بندے نہ بن سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ مالک اگر دینے پہ آئے تو ہمیں اپنے دامن کی کوتاہی کا شکوہ ہو جائے اور اگر لینے پر آئے تو دامن تارتار کر دے اس لیے کہ ناشکروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

موجودہ حالت میں کاش ہم یہ بھی کہہ سکیں کہ ہمارے کرتوتوں کا انجام یہی ہونا تھا مگر کیا ایسا ہی رہے گا؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ ملک ''عطائے الٰہی'' ہے اور اللہ اپنی عطا کو یوں ضائع نہیں کرتا بلکہ کچھ عرصے کے لیے ہماری خطا کی وجہ سے معطل رکھتا ہے کہ بندہ سنبھل جائے اور صبر کا پھل حاصل کر کے اس کا شکر بھی ادا کر سکے، اگر ایسا نہ ہوا تو وہ قادر مطلق اس بات پر قادر ہے کہ جس نے صبر پر نعمتیں دیں، نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے پر دے کر لینے پر بھی مکمل قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے کہ ہم نے صبر کا دامن چاک کر کے شُکر کو الٹ پلٹ کر شرک کی دیوی بنا کر اسی کے ناز و نعم میں لگ گئے۔ ہماری اس حالت پر کوئی رونے والا نہیں البتہ ہنسنے والے بہت ہیں۔ ابھی بھی وقت ہے، توبہ کر لیں، اللہ کی ہدایات کو مضبوطی سے تھام لیں، آپس کے اختلافات ختم کر کے ہر کلمہ گو مسلمان کو گلے لگا لیں اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہیں۔ اتحاد بین المسلمین ہماری بقا ہے۔

آیئے! آپس کی فرقہ واریت کو ختم کر کے ایک اور نیک مسلمان بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو، ہماری زبان کو، ہمارے ہاتھوں کو ایک دوسرے مسلمان بھائی کے لیے معاون و مددگار بنا دے اور ہمیں بد اخلاقیوں سے نجات عطا فرما کر اخلاق حمیدہ سے نواز دے کہ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس طرح تم میں روزیاں تقسیم فرماتا ہے اسی طرح اخلاق بھی تقسیم فرماتا ہے''۔ سرکار رحمت ﷺ نے فرمایا: ''بندہ مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل، اس کی زبان مسلمان نہ ہوجائے اور بندہ ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہوجائیں''۔ بے شک حق ہے میرے رسول ﷺ کا فرمایا ہوا۔ کاش ہم اللہ کے پیارے بندے بن جائیں کہ اللہ کو اپنے ان بندوں سے پیار ہے جو اللہ کے بندوں سے پیار کرتے ہیں۔



تحمل و برداشت اور عفوو درگزر اسوۂ نبی ﷺ کے تاریخ ساز پہلو

دین کی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں میں تحمل، برداشت اور عفوو درگزر جیسی صفات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ صفات تمام انبیائے کرام علیہم السلام، صلحاء اور صوفیائے عظام میں موجود تھیں۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ میں یہ صفات بہ درجۂ اتم موجود تھیں۔

صد شکر اللہ رب العالمین کا کہ جس نے ہم انسانوں کی ہدایت وراہ نمائی کے لیے نبی کریم ﷺ جیسی مہربان ہستی کو مبعوث فرمایا، کروڑوں درود رحمت للعالمین ﷺ پر کہ جنہوں نے محض انسانیت کی بھلائی کے لیے اپنی جان پر بے پناہ مظالم برداشت کیے۔ انہی صفات حسنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: (اے نبی!) آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں۔

سورۃ انبیاء میں فرمایا: ”(اے نبی) ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا“۔ عفوو درگزر کے عنوان کے تحت آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے کئی واقعات ہیں جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے مثال اور قابل تقلید رہیں گے۔ مثلاً ایک بار آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے کہ ایک کافر نے موقع غنیمت جان کر آپ ﷺ کی جان لینی چاہی۔ قریب پہنچا تو آہٹ سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ نبوت کا رعب و جلال دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر تلوار اٹھالی۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے معاف کر دیا اور وہاں سے سلامت واپس جانے دیا۔

جس معاشرے میں آپ ﷺ نبی بن کر آئے اس میں خواتین کی کوئی عزت نہیں تھیں اور نہ ہی انہیں کوئی حقوق حاصل تھے۔ وراثت میں بھی عورتوں کو حق دار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کی حالت اس سے بدتر تھی، ذرا ذرا سی غلطی پر انہیں مارا پیٹا جاتا اور

زنجیروں میں باندھ کر انہیں بھوکا، پیاسا رکھ کر سزائیں دی جاتیں۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: لوگو! اپنے ماتحتوں سے نرمی کا سلوک کرو، جو کچھ خود کھاتے ہو انہیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو، انہیں بھی پہناؤ۔ یاد رکھو قیامت کے دن ان کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

نبوت کی 13 سالہ مکی زندگی میں آپ ﷺ نے کفار کے بے پناہ ظلم سہے لیکن جب مکہ فتح ہوا، آپ ﷺ ان پر غالب آ گئے تو ظلم کرنے والے، حق کو مٹانے کی کوشش میں جنگیں لڑنے والے خوف سے کانپ رہے تھے کہ اب ان کی خیر نہیں لیکن آپ ﷺ نے عفو و درگزر کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ محفوظ ہے، جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا اور جو حرم مکہ میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے''۔

تاریخ گواہ ہے کہ فاتحین جن آبادیوں میں داخل ہوئے، خون کی ندیاں بہائیں، گھروں کو لوٹا اور آگ لگائی لیکن امن کے حوالے سے مکے کی فتح تاریخ کے ماتھے کا خوب صورت جھومر ہے۔

آپ ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل ''وحشی'' بعد میں مسلمان ہو گیا، آپ ﷺ نے اسے بھی معاف کر دیا۔ حضرت حمزہؓ کی نعش کی بے حرمتی کرنے والی ہندہ بھی بعد میں مسلمان ہونے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے فراخ دلی سے اسے بھی معاف فرما دیا۔

آپ ﷺ مختلف علاقوں میں فوجی دستے روانہ کرتے وقت کمانڈروں کو نصیحت فرماتے: ''خبردار! عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا، ہرے بھرے درختوں کو نہ کاٹنا اور بلاضرورت شکار نہ کرنا۔''

آپ ﷺ ایک بار اپنے نواسے حضرت حسینؓ کو پیار کر رہے تھے۔ ایک بدّو اقوع بن حابس بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ بولا: ''میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو پیار

نہیں کیا۔'' آپ ﷺ نے اس سے رخ پھیر لیا اور فرمایا: ''جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

آپ ﷺ صرف انسانوں ہی کے لیے رحمت نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ جانوروں کے معاملے میں بھی نرم دل رکھتے تھے۔ ایک بار ایک صحابیؓ نے کسی پرندے کے انڈے اٹھا لیے، وہ وہ شور مچانے لگا۔ آپ ﷺ سے اس کی بے قراری دیکھی نہ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے اس پرندے کے انڈے اٹھائے ہیں، فوراً اصل جگہ پر رکھ دے''۔ جب انڈے رکھ دیے گئے تو پرندے کو قرار آیا۔

اسی طرح ایک بار ایک اونٹ والے سے فرمایا: ''اپنے اونٹ کو مناسب مقدار میں چارہ اور پانی دیا کرو اور اس کی طاقت کے مطابق اس پر بوجھ لادا کرو''۔

آپ ﷺ نے ساری زندگی انسانوں کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کی اور اپنے عمل سے مثال بھی قائم کی اور ویسا ہی عمل کرنے کی ہدایت بھی فرمائی۔ اس حوالے سے ہمیں اپنے کردار وعمل کو دیکھنا ہوگا کہ کیا ہم صرف نام کے مسلمان ہیں؟ قرآن پاک اور سیرت رسول ﷺ کی نصیحتیں صرف پڑھنے، سننے اور سر دھننے کے لیے رکھ چھوڑی ہیں۔ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے کی صدا ہم دن میں پانچ بار سنتے ہیں لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کامیابی وفلاح کی دعوت کو چھوڑ کر اپنی باتوں اور کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ ہم بازار میں ہوں تو اپنا مفاد بڑا رکھتے ہیں، محفل میں ہوں تو اپنی بات اور اپنی ذات بڑی چاہتے ہیں۔

سورۃ الاعلیٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نصیحت تو ڈرنے والے کے لیے ہے (اور) اس سے زیادہ بد بخت کون ہے جو اس (نصیحت) سے روگردانی کرے''۔ ان ارشاداتِ ربّانی کی روشنی میں ہر شخص اپنے مقام کا تعین خود کر سکتا ہے۔ اسوۂ نبوی ﷺ کا تقاضا ہے کہ ہم تحمل و برداشت اور عفو و درگزر کی راہ اپنائیں۔ آج بدامنی کی بنیادی وجہ تحمل و برداشت کا نہ ہونا ہے، ہمارا دین ہمیں صبر و برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر سیرت طیبہ کے اس پہلو اور دین کی اس مثالی تعلیم کو اپنا لیا جائے تو معاشرہ حقیقی معنی میں امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

نظم وضبط اور مستقل مزاجی اسلامی تعلیمات کا ایک امتیازی پہلو

اسلامی معاشرے میں نظم وضبط کی بڑی اہمیت ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عوامی سطح پر شعور وآگہی پیدا کرنے کے لیے نظم وضبط کی ضرورت ہے۔ یہ کسی بھی اعلیٰ متمدن سماج کی علامت ہوتا ہے، دولت، ثروت اور دنیوی عہدے اعلیٰ سوسائٹی کے ضامن نہیں ہوتے، اصل چیز نظم وضبط اور مستقل مزاجی ہے، جو مکارم اخلاق سے پیدا ہوتا ہے۔جس قوم میں جس قدر نظم وضبط ہوگا وہ اسی قدر بلندیوں تک پہنچے گی۔نظم وضبط ایک انفرادی زندگی میں ہوتا ہے اور ایک اجتماعی زندگی میں۔اسے دوسرے لفظوں میں ادب وشائستگی بھی کہہ سکتے ہیں۔جس قوم میں نظم وضبط نہ ہو وہ ناقص معاشرہ کہلاتا ہے۔اس کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے۔وقت پر سونا وقت پر اٹھنا، وقت پر کام کرنا، وقت پر فرائض انجام دینا، دفتری اوقات میں دفتری کام کرنا، گپ شپ نہ کرنا، یہ سب نظم وضبط کے دائرے میں آتے ہیں۔اگر نظم وضبط نہ ہو تو ہر شخص ایک دوسرے سے نفرت اور بدگمانیاں کرنے لگتا ہے۔محبت، مروت، اخوت، مساوات اور عدل وانصاف نظم وضبط کے اجزاء ہیں۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ قدرت کا نظام نہایت نظم وضبط سے چل رہا ہے۔مثلاً سورج وقت پر طلوع ہوتا اور وقت پر غروب ہوتا ہے، چاند، تارے، زمین وآسمان، رات دن، صبح شام، بارش کا نظام، سردی گرمی، برسات، غرض پورا کارخانہ قدرت اور نظام کائنات ایک خاص ضابطے کے تحت چل رہا ہے۔اچھی شہریت اور اچھے شہری کا معیار نظم وضبط اور مستقل مزاجی ہے۔شہریوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض کو عمدگی اور مستعدی سے ادا کریں۔ٹریفک کے قوانین کی پابندی کریں۔جس کو زبان دی یا وعدہ کیا اسے یاد رکھیں اور پورا کریں، لیت ولعت ہرگز نہ کریں۔شیریں زبانی، حسن اخلاق زندگی میں باقاعدگی اور سنجیدگی، نظم وضبط کے اعلیٰ اصول ہیں۔

تلخ کلامی، کام سے غفلت برتنا، بددیانتی، جھوٹ، دغا، فریب، دھوکا، یہ نظم وضبط کے

خلاف باتیں ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔ ایک اچھی، شستہ اور صاف ستھری زندگی بسر کرنا چاہیے۔ غیرت مندی، فراخ دلی، سفید پوشی، کسی سے بغض و حسد نہ رکھنا، غیبت سے اجتناب کرنا، تہذیب یافتہ معاشرے کے اوصاف ہیں۔ انہی سے تہذیب و معاشرت کا ایک مکمل نقشہ تیار ہوتا ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے بھی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ نماز انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ جس ڈسپلن سے نماز میں صفیں بنتی ہیں اس سے اسلامی نظم و ضبط کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ پانچوں وقت کی نماز میں چھوٹی صفیں بنتی ہیں، جمعہ میں اس سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور اس سے بڑا اجتماع عیدین پر ہوتا ہے اور سب سے بڑا اجتماع حج کے موقع پر ہوتا ہے۔ ان سب موقعوں پر جس نظم و ضبط کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ اسلامی نظم و ضبط کی روح ہے۔ حج کے موقع پر تعصّبات و مکروہات سے مُنزہ، نسل و رنگ، وطن، زبان کی حد بندیوں اور جغرافیائی سرحدوں سے پرے، مساوات، اجتماعی عدل و انصاف اور عالم گیر برادری کی حیثیت سے اسلامی نظم و ضبط کا مظاہرہ قابل دید ہوتا ہے۔ اتنا بڑا اجتماع کسی قوم میں نہیں ہوتا۔ یہاں مسلمانوں کا نظم و ضبط مثالی ہوتا ہے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ نظم و ضبط تمام مسلمانوں کو رشتۂ وحدت میں جوڑ دیتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی عام فضا خیر خواہی، تعاون، امداد، اشتراک عمل، مستقل مزاجی، ایثار و قربانی، نظم و ضبط سے پیدا ہوتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، نظم و ضبط کا بہترین اصول ہے جو نیکیوں کو قائم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا اصول ہے۔ نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے اسلامی معاشرے میں نظام تعلیم بھی ایک اہم ستون ہے۔ تعلیم سے معاشرے میں استحکام اور صحت مند ارتقاء عمل میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں نظم و ضبط کے پابند تھے اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم زندگی میں نظم و ضبط اور مستقل مزاجی کے اصول کو اپنائیں۔

یہ وہ زریں اصول ہے جس سے زندگی خوب صورت اور خوش گوار بن سکتی ہے۔ اصل

اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے، مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مرکز و محور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری اور وفاداری ہے۔ اس سے زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں شہریوں کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ ایسا کام نہ کریں جو ریاست کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ تخریبی سرگرمیوں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی نہ کرنے دیں۔ غرض نظم و ضبط کو اپنا کر ہم معاشرے کو فلاح و بہبود کی راہوں پر گامزن کر سکتے ہیں۔

اسلام نے جب حریتِ انسانی کا علم بلند کیا تو اس نے سب سے پہلے یہی اعلان کیا کہ اس کے اجتماعی نظام کا حقیقی مؤسس اللہ ہے اور وہی واضع قانون ہے۔ حکومت اسی کے اساسی قانون کی روشنی میں نیابت اور تنفیذ کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اس کا یہی مقصد ہے، جس کے معنی یہ ہیں: ''حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا حق نہیں''۔

''السّلطان ظل الله فی الا رض'' کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اگر حاکم وقت کی طرز حکومت منہاج نبوت کے عین مطابق ہے تو بلاشبہ وہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

اسلامی نظم و ضبط ایک ایسا روشن نظام ہے جس کا اصل مقصد عوام کی خدمت کرنا اور عدل و انصاف میں یکسانیت ہے؟ یہ جہاں انسان کی مادی اور جسمانی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے وہاں وہ اس کی روحانی اور اخلاقی ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے۔ روح کے لیے اللہ کی عبادت کو ضروری قرار دیا گیا۔ تاریخ عالم میں سب سے بڑا انقلاب وہ تھا جو نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں اسلامی نظم و ضبط کی بنیاد پر برپا ہوا، جس نے زندگی کے ہر شعبے کی ماہیت کو بدل دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نظم و ضبط اور مستقل مزاجی دین و دنیا دونوں کو درست کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اپنی دنیوی زندگی کو بہتر بناؤ اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو''۔

اسلام انفرادی اور اجتماعی زندگی میں توازن برقرار رکھتا ہے۔ وہ افراد میں نظم و ضبط کا احساس بیدار کرتا ہے، افراد کو ریاست یا سماج کی شکل میں منظّم کرتا اور انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے نظم و ضبط اختیار کریں۔ اسلام نظام اجتماعی کو بے جان اور معطل

پرزہ تصور نہیں کرتا، وہ جہاں جماعتی اور معاشرتی نظم وضبط پر زور دیتا ہے وہاں وہ فرد کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کیوں کہ یہ فرد معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اس کی اصلاح پورے معاشرے کا سدھار ہے۔ نظم وضبط کے ذریعے فرد میں جذبۂ عمل پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہی سرمایہ ومحنت میں توازن برقرار رکھتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس کا نظام ونظم وضبط کسی انتظام یا ردعمل پر مبنی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ کائنات انسانی کی عام فلاح و بہبود پر زور دیتا ہے۔ وہ سرمایہ ومحنت میں اعتدال، توازن یا نظم وضبط قائم کرنے کوشش کرتا ہے۔

غرض اسلامی نظم وضبط ایک ایسے معاشرے کا طالب ہے جو ہمہ گیر ہو، آپس کے اختلاف سے پاک ہو۔ وہ ایک ایسی آئیڈیل سوسائٹی کو جنم دیتا ہے جس کا خدا ایک ،رسولؐ ایک اور قرآن ایک ہے اور جس کے افراد ایک ملی برادری ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔



گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کا سبب

اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے اجتناب ہر حال میں ضروری ہے، تاہم بعض گناہ وہ ہیں جنہیں ''کبیرہ'' قرار دیتے ہوئے بطور خاص ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی وایذا رسانی، کسی بندے کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا''۔

رسول اکرم ﷺ سے جب گناہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو جواب میں آپ ﷺ نے یہاں چار گناہ بتائے ہیں جن میں اول اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں، وہی ہے جو کائنات کا خالق اور مالک ہے، اسی کی مشیت ہر آن کارفرما ہے۔ رزق کی فراہمی، اولاد کا عطا کرنا وغیرہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی عالم الغیب ہے، وہی لوگوں کی مشکلات دور کرنے والا ہے۔ صحت اور بیماری اسی کی طرف سے ہے، وہی معبود یکتا ہے۔ توحید باری تعالیٰ اس قدر واضح اور نمایاں ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں۔ اس کے باوجود جو شخص خدائی صفات کو مخلوق کے کسی فرد میں مان لے یا اللہ کی کسی صفت کو محدود تسلیم کرے تو گویا اس نے شرک کیا۔ مراسم عبودیت صرف اللہ کے لیے ہیں۔ صرف وہی معبود ہے۔ کائنات کا ہر فرد خواہ وہ جن ہو، فرشتہ ہو یا انسان ہو، اللہ کا محتاج اور اس کا بندہ ہے۔ آپ ﷺ نے شرک کو اول درجے کا گناہ کبیرہ بتایا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو نا قابل بخشش قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس گناہ کو تو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرمادے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک مقرر کیا تو اس نے تو بڑا بہتان باندھا۔''

شرک ''کو اکبر الکبائر'' بھی کہا گیا ہے۔ حدیث میں کبیرہ گناہوں کے تذکرے میں رسول اللہ ﷺ نے جس دوسرے گناہ کا ذکر کیا ہے وہ ماں باپ کی نافرمانی اور حق تلفی ہے۔

ماں باپ اولاد کی انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ پرورش کرتے ہیں، ان کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں، خود تکلیف برداشت کر لیتے ہیں مگر اولاد کو مشقت میں نہیں پڑنے دیتے لہٰذا اخلاق کا تقاضا ہے کہ ایسے محسنوں کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے اولاد ہمہ تن فرمابرداری کا رویہ اختیار کرے۔ انہیں کسی بھی طور ناراض نہ کرے، نہ ان کا دل دکھائے اور نہ تکلیف دے۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ اونچی آواز، تلخ لہجے میں بات نہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’پس ان دونوں کو اف تک نہ کہو اور نہ ہی انہیں جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو۔‘‘ آگے فرمایا گیا: ’’ان کے لیے اپنے پروردگار سے رحم کی درخواست کیا کرو اور کہو! اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا‘‘۔ اس ضمن میں یہاں تک ہدایت کی گئی ہے کہ اگر والدین کافر اور مشرک ہوں اور تمہیں شرک پر مجبور کریں تو بھی تم دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ارشاد الٰہی ہے: ’’اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں (کوئی سند نہیں) تو ان کی اطاعت ہرگز نہ کر البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔‘‘

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور شرک سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کی گئی ہے اور یہ مضمون قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے: ’’اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، والدین سے اچھا سلوک کیا کرو‘‘۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا: ’’تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک رکھو گے‘‘۔

اگر کسی کو عقل سلیم کی دولت سے نوازا گیا ہے تو وہ یقیناً اپنے محسن کے ساتھ احسان و مروت اور نیک سلوک کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں کہ ’’باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور باپ کی ناراضی میں اللہ کی ناراضی ہے۔‘‘

اسی طرح حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے‘‘۔ گویا ماں باپ کی خدمت، اطاعت اور خیر خواہی نہایت ضروری ہے اور

انہیں ناراض کرنا اور اذیت پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث کی رو سے تیسرا بڑا گناہ قتل ناحق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے زندگی دی ہے، اس سے زندگی چھین لینا کسی کے لیے جائز نہیں۔ ناحق قتل کی سزا قرآن مجید میں صاف طور پر دخول جہنم بیان کی گئی ہے۔ الفاظ اس طرح ہیں: ''اور جو شخص کسی مومن کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لیے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (سورۃ النساء)۔

اسلامی تعلیمات میں تو مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ ہر مسلم دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مشہور حدیث نبوی ہے: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔''

گویا مسلمان تو مسلمان کا بھائی ہے اور اس کے حسن سلوک کا مستحق ہے، چہ جائیکہ اس کے ساتھ بدترین سلوک کرتے ہوئے اس کی جان لے لی جائے، زندگی تو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، کسی دوسرے کی جان لینا تو دور کی بات ہے، کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ خود اپنی زندگی ختم کر لے یعنی خودکشی کر بیٹھے۔ قتل عمداً کبر الکبائر میں سے ہے۔ اسلام نے تو قتل خطا پر بھی سزا رکھی ہے، ناحق قتل کرنے والے کی سزا دنیا میں قتل ہے البتہ قاتل سے اگر مستقبل میں اصلاح احوال کی توقع ہو تو ورثاء کے لیے معاف کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی رو سے چوتھا بڑا گناہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔ جھوٹی گواہی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صحیح صورت حال سامنے نہ آ سکے گی۔ جھوٹی گواہی کی بنیاد پر بے گناہ کو سزا مل سکتی ہے اور مجرم سزا سے بچ سکتا ہے۔ جھوٹ تو رذائل اخلاق میں سب سے بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے بلکہ یہ تو مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ جھوٹی بات کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔''



سورة العصر

زمانے کی قسم انسان درحقیقت خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

حدیث نبوی ﷺ

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اللہ تعالٰی کی عبادت کرے تو اللہ تعالٰی اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں۔

(روح البیان معارف القرآن)

توجہ فرمائیے!

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میرے کلام کو سنا، اُسے یاد کیا، اُس کی حفاظت کی اور اُسے دوسروں تک پہنچایا، جیسا سنا تھا۔

اور نبی کریم ﷺ کے اس قول کا بھی اپنے آپ کو مستحق بنایئے:

آپ ﷺ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے علم کی اشاعت کے لئے ایک روپیہ خرچ کیا گویا اُس نے ۷۰ حج کئے اور ۷۰ انبیاء کرام علیہم السلام کو کھانا کھلایا۔